

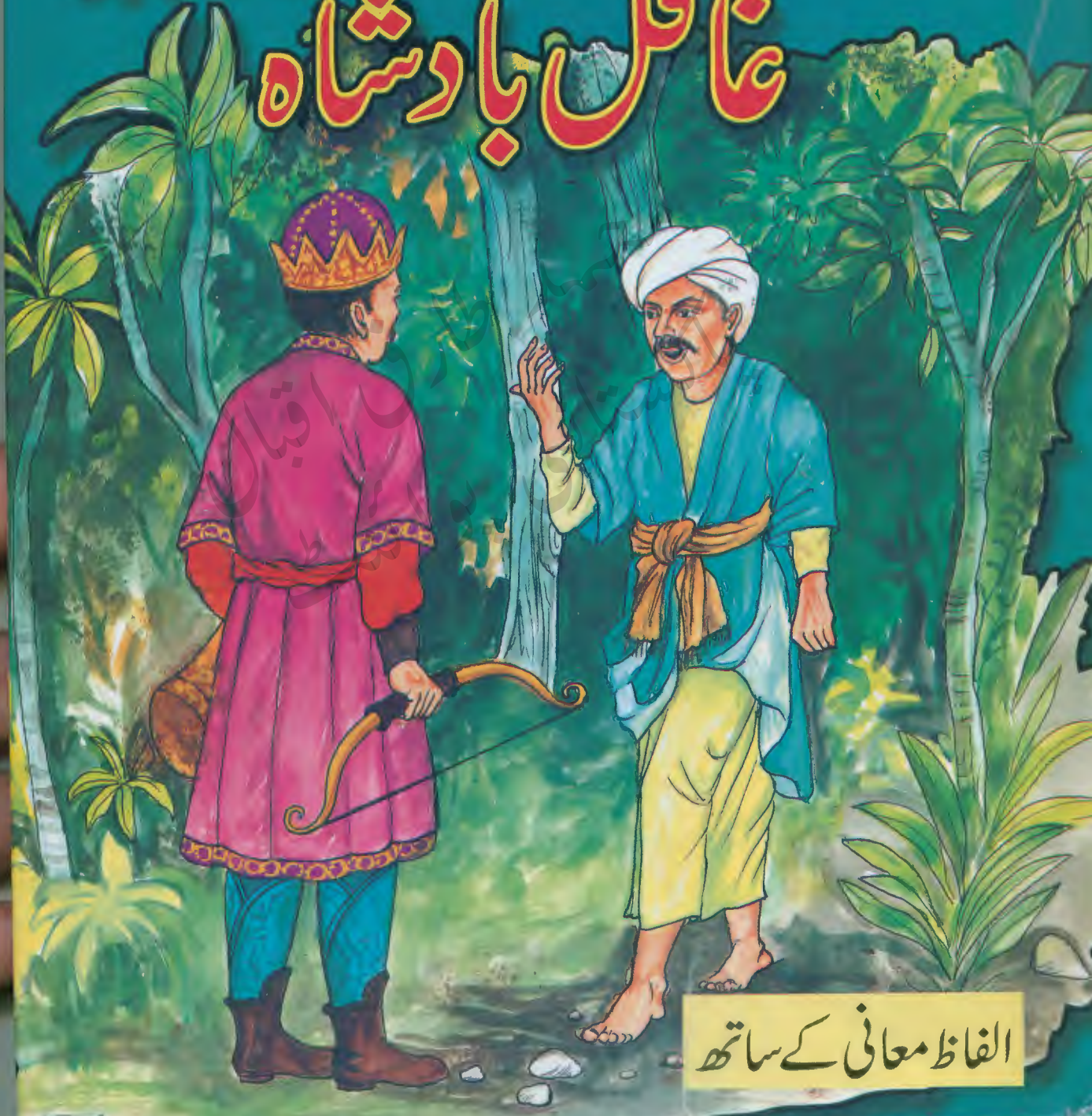
شیخ سعدیؒ کی حکایات پر مبنی سبق آموز کہانیاں

14

کہانیاں

اور مختلف کہانیاں

عناقل بادشاہ



الفاظ معانی کے ساتھ

شیخ سعدی کی حکایات پر مبنی سبق آموز کہانیاں

14

کہانیاں

اور مختلف کہانیاں

غافل بادشاہ



الفاظ معانی کے ساتھ



چلڈرن پبلیکیشنز

13، طارق پلازہ، ناظم آباد نمبر 4 کراچی، پاکستان فون نمبر: 6623489

E-mail: childrenpublications@hotmail.com

CHILDREN'S BOOK FAIR.



اس کتاب میں شامل تصویر اور تحریر کے تمام حقوق بحق پبلیشرز محفوظ ہیں۔



فہرست مضامین

- | | |
|---------------------|-----------------------|
| 1. غافل بادشاہ | 8. گھوڑا کھاؤ |
| 2. ظالم جاگیردار | 9. آخری داؤ |
| 3. دو بھائی | 10. لومڑی نہیں شیر بن |
| 4. حاتم طائی کا قتل | 11. قریب المرگ مہمان |
| 5. ظالم بادشاہ | 12. غریب سخی |
| 6. اللہ کا گھر | 13. زہریلا شہد |
| 7. ادیب کی مکاری | 14. فقیر کی دعا |

مشکل الفاظ معانی



تحریر: طاہر اختر میمن
 تصویر: سمیرا اکامران - جٹاغور
 کمپوزنگ: کریم علی
 برورق: سلمان اعظم
 پرنٹرز: سوی پرنٹرز، ناظم آباد کراچی
 پہلا ایڈیشن: 2004
 قیمت: روپے

ISBN - 969-542-060-5



غافل بادشاہ

ایران کا بادشاہ دارا اپنے محافظ فوجی دستے کے ہمراہ جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ شکار کے دوران دارا بادشاہ ایک ہرن کا تعاقب کرنے لگا۔ ہرن نہایت ہی تیز رفتار تھا اور دوڑنے میں بادشاہ کا گھوڑا اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ پھر بھی دارا بادشاہ نے ہرن کا پیچھا نہ چھوڑا۔

کافی دیر تک بادشاہ اس کا پیچھا کرتا رہا مگر ہرن ہاتھ نہ آیا۔ دارا تھک گیا تو اس نے ہرن کو شکار کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ مگر ہرن کے چکر میں وہ اپنے لشکر سے پھڑپھڑکا تھا۔ وہ ایک جگہ رک کر اندازہ لگانے لگا کہ اس کے ساتھی کس سمت میں ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

اچانک اُس نے ایک آدمی کو دیکھا۔ وہ دوڑتا ہوا بادشاہ کی طرف آ رہا تھا۔ بادشاہ سمجھا کہ کوئی دشمن ہے جو اسے تنہا پا کر حملہ کرنے کی نیت سے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ اُس نے جلدی سے کمان میں تیر جوڑ لیا۔ وہ جانتا تھا کہ گھروں میں عام طور پر ایسے پھول ہوتے ہیں جن پر کانٹے ہوتے ہیں لیکن جنگل میں زیادہ تر خاردار پھول ہیں۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ وہ



دشمن کو قریب آنے سے پہلے ہی شکار کر لیتا۔

لیکن آنے والا ایک چرواہا تھا۔ اس نے دور سے دیکھ لیا کہ ایک اجنبی نے اس پر تیر برسانے کے لیے نشانہ باندھ رکھا ہے تو وہ گھبرا گیا۔

”مجھے تیر نہ مارو۔ میں دشمن نہیں دوست ہوں۔“ چرواہے کو کہا۔

پھر قریب آ کر اس نے بادشاہ کو پہچان لیا اور کہنے لگا۔ ”عالی جاہ۔ میں تو آپ کا غلام ہوں اور آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔“

دارا بادشاہ اسے دشمن سمجھ کر خوفزدہ تھا لیکن اب اس نے چرواہے کی بات سنی تو اس کا خوف جاتا رہا۔ اس نے ہنستے ہوئے چرواہے سے کہا۔

”تیری قسمت اچھی تھی جو تونچ گیا۔ اگر غیبی فرشتے نے تیری مدد نہ کی ہوتی تو اب تک میرے تیر سے ہلاک ہو چکا ہوتا۔“

کیوں کہ میں تیر چھوڑنے ہی والا تھا۔“

دارا بادشاہ کی بات سن کر چرواہا بھی ہنس پڑا۔ پھر بڑے ادب سے کہنے لگا۔

”حضور۔ میری ایک نصیحت سن لیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔“

”بولو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔“ بادشاہ نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

چرواہا کہنے لگا۔ ”میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں جناب کہ جو بادشاہ دوست اور دشمن کی تمیز نہیں لاسکتا بھلا وہ بھی کوئی بادشاہ ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں سمجھا نہیں۔ اپنی بات کی وضاحت کرو۔“ بادشاہ نے کہا۔

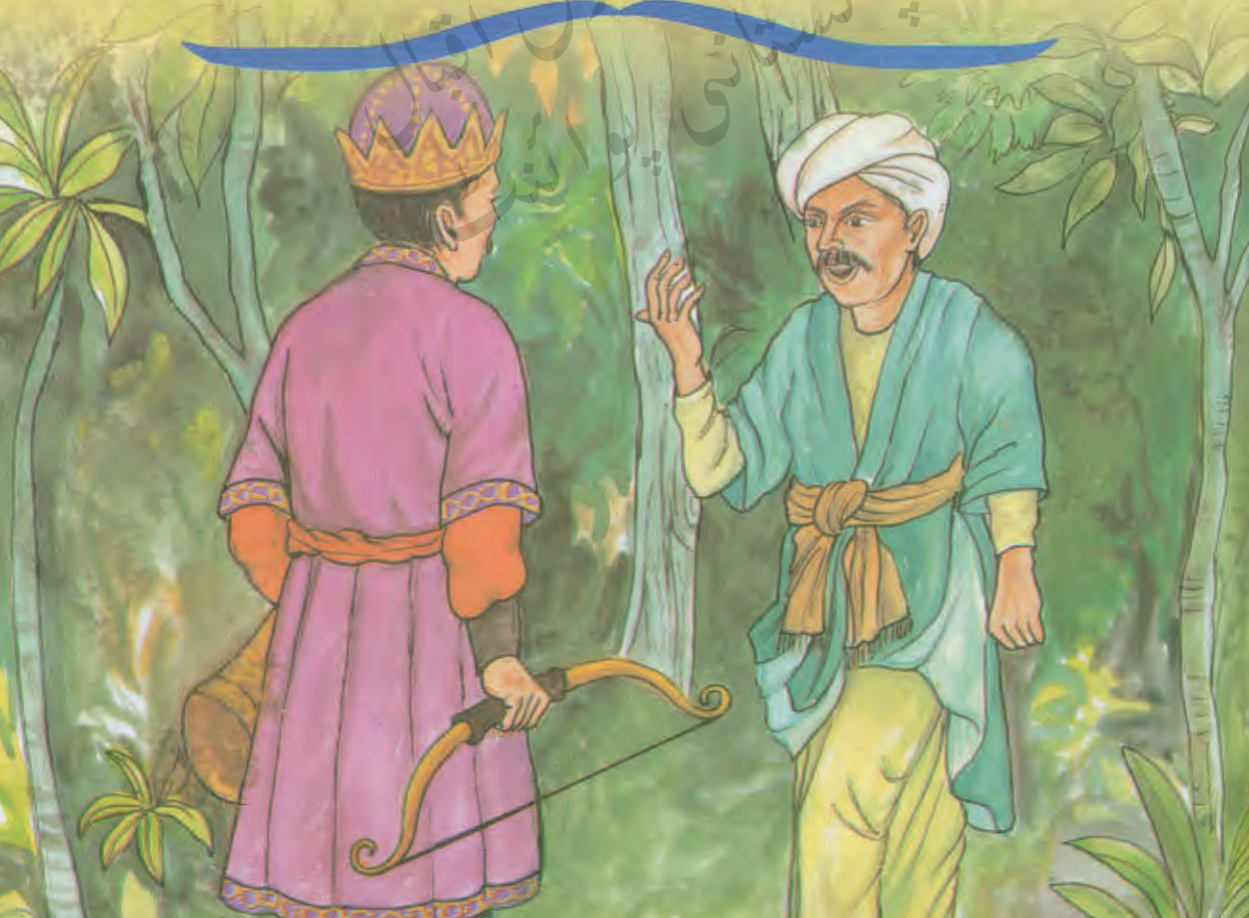
”عالی جاہ! حقیقت میں بڑا وہی ہے جو اپنے ہر چھوٹے کو پہچانتا اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہو۔ میں آپ کے لئے کوئی اجنبی تو نہیں ہوں۔ آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے والے سائیس کی حیثیت سے آپ کے دربار میں اکثر حاضری دیا کرتا ہوں۔ آپ بھی اکثر اوقات مجھ سے گھوڑوں اور چرواہوں کے بارے میں سوال و جواب کرتے رہتے ہیں۔“

اس کے باوجود آپ نے مجھے اپنا دشمن سمجھ کر مجھ پر تیر چلانے کا ارادہ کر لیا اور مجھے پہچاننے کی کوشش تک نہیں کی حالانکہ میں اپنے مالک اور اپنے کام سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ میری تو یہ حالت ہے کہ آپ کے حکم پر میں لاکھ گھوڑوں میں سے آپ کا پسندیدہ اور مطلوبہ گھوڑا نکال کر دکھا سکتا ہوں۔“

چرواہے کی بات سن کر دارا بادشاہ کو کچھ ندامت ہوئی۔ چرواہا کہہ رہا تھا۔

”بادشاہ سلامت! جس طرح میں اپنے فرض کو پہچانتا اور ادا کرتا ہوں اور پوری ہوشیاری اور عقل مندی سے تیرے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں، اسی طرح آپ کو بھی ہوشیاری سے حکومت کرنی اور اپنی رعایا کی دیکھ بھال کرنی چاہیے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ جس بادشاہ کا انتظام سلطنت کے چرواہوں سے بھی بدتر ہو اور وہ اپنی رعایا کی حفاظت نہ کر سکتا ہو اس کا تاج و تخت بھلا کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔“

سبق:- دوست دشمن کی تمیز رکھنی چاہیے۔ اپنے سے چھوٹوں اور غریبوں کی حفاظت کا خیال رکھنا چاہیے۔



ظالم جاگیردار

ملک شام میں ایک نہایت پرہیزگار اور عابد شخص رہتا تھا۔ اس کا نام خدا دوست تھا۔ اس درویش نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر شہر سے باہر ایک غار میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ بہت صابر و شاکر تھا اور اسی وجہ سے اللہ نے اُسے قناعت کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ قناعت کا مطلب ہے جو کچھ مل گیا اسی پر گزارا کر لیا۔ قناعت پسندی کے سبب نہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا تھا اور نہ کسی کے دروازے پر جا کر سر جھکاتا تھا۔ مگر اُس کی درویشی اور پرہیزگاری کی وجہ سے بڑے بڑے بزرگ اس کے دروازے پر جھکنا اپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔

خدا شناس آدمی اگر بھیک مانگتا ہے تو اس کا مقصد اپنے نفس کو تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔



خدا دوست بھی خدا شناس تھا اور جانتا تھا کہ سب کو رزق دینے والا اللہ ہے اس لئے وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا تھا۔ اور روکھی سوکھی کھا کر خدا کا شکر ادا کرتا تھا۔ دراصل جس علاقے میں وہ خدا دوست بزرگ رہا کرتا تھا۔ وہاں کا جاگیردار بہت ظالم، مغرور اور بے رحم شخص تھا۔ وہ کمزوروں پر ظلم کرتا اور کسانوں مزدوروں کا خون پیتا تھا۔ لوگوں سے ناجائز ٹیکس وصول کرتا اور جو اس کی حکم عدولی کرتا اُسے اذیت ناک سزا دیتا تھا۔ سب اُس سے خوفزدہ رہتے تھے۔

ظالم جاگیردار کے ظلم سے تنگ آ کر بہت سے لوگ وہ علاقہ ہی چھوڑ گئے۔ جاگیردار کے ستائے ہوئے لوگ جہاں جہاں بھی گئے، انہوں نے ظالم جاگیردار کو بدنام کیا۔ اس کے ظلم کے قصے لوگوں کو سنائے اور سننے والوں نے جاگیردار پر لعنت بھیجی۔

پاکستانی یو اینٹ طارق اقبال



گاؤں میں جو عورتیں رہ گئی تھیں، وہ جب چرخہ کا تنے بیٹھا کرتیں تو آپس میں اُس ظالم جاگیردار کے بارے میں باتیں کرتیں اور ہر عورت جاگیردار پر لعنت بھیجتی۔

خدا دوست بزرگ کے پاس روزانہ علاقے کے لوگ آتے اور اُس سے اپنے حق میں دُعا کراتے تھے۔ وہ بزرگ ہر ایک معتقد کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آتا اور اُن کو ہدایت و نصیحت کی دولت بانٹتا۔ وہ خود کو اللہ کا گناہگار بندہ سمجھتا اور بے حد عبادت گزار ہونے کے باوجود خود کو دوسروں سے کم تر خیال کرتا۔ کیونکہ اپنے زہد اور تقویٰ پر غور کرنے والے عابد کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ ظالم جاگیردار بھی خدا دوست بزرگ کی زیارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ لیکن وہ بزرگ اُسے ذرا بھی خاطر میں نہ لاتا۔ بات کرنا تو درکنار، اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ جاگیردار جب بھی آتا، بزرگ اُس کی طرف سے منہ پھیر لیتا۔ لگتا تھا اُسے جاگیردار کی ذرا بھی پروا نہیں اور اس کے لئے جاگیردار کی موجودگی اور غیر موجودگی یکساں ہے۔

آخر ایک دن جاگیردار بزرگ کی بے رُخی برداشت نہ کر سکا اور اُس سے کہنے لگا۔ ”بزرگوار۔ آخر کیا وجہ ہے کہ میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں مگر تم میری طرف ایک نظر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ تجھے میرے ساتھ خدا واسطے کی دشمنی ہے جو تو مجھ سے کلام ہی نہیں کرتا۔ دیکھ! میں تجھ سے زیادہ عزت اور حیثیت والا ہوں۔ میں عام آدمی نہیں بلکہ جاگیر کا مالک ہوں۔ اس علاقے میں مجھ سے بڑا جاگیردار کوئی نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں تم سے کسی امتیازی سلوک کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں۔ مگر تو مجھے دوسروں کے برابر تو سمجھا کر۔ عام مریدوں کی طرح مجھ سے سلوک کیا کر۔“

ظالم جاگیردار کا مطالبہ سُن کر بزرگ کو بہت غصہ آیا۔ اُس نے جاگیردار سے کہا۔

”او ظالم آدمی۔ تو دوسروں کے برابر سلوک کا کس طرح مستحق ہے۔ تو خدا کی مخلوق کے لئے سر سے پاؤں تک آزار اور اذیت ہے۔ پھر بھلا میں تمہیں کس طرح پسند کروں گا۔ مخلوق خدا کی تکلیف مجھے کیسے پسند آسکتی ہے۔“

خدا دوست بزرگ کی بات سُن جاگیردار کو ندامت ہونے لگی۔ بزرگ کہہ رہا تھا۔
 ”احمق آدمی۔ یہ تو سوچ کہ جو میرے دوستوں کا دشمن ہے وہ میرا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ میری دوستی جن لوگوں سے ہے تُو اُن پر ظلم کرتا ہے اور انہیں تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے پھر میں تجھے اپنا دوست کیسے سمجھ لوں۔ فرض کیا میں تیرا دوست بن بھی جاؤں تو اس کا علاج کیا ہوگا کہ خدا تیرا دشمن ہے اور مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا کہ میں دوست کے دشمن کا دوست بن جاؤں۔“
 جاگیردار شرم سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر آہستہ سے کہا۔
 ”مجھے معاف کر دو اور اپنے کرم کا ہاتھ میرے سر پر رکھ دو۔“

”ہرگز نہیں ظالم.....“ بزرگ نے تیزی سے سخت لہجے میں کہا۔ ”تیرا میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ ظالم اور مظلوم کی آپس میں کبھی دال نہیں گلتی۔ تیری وجہ سے خدا کی مخلوق تکلیف میں مبتلا ہے۔ تو نے اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں اور بہت سے بندگانِ خدا تیرے شر سے بچنے کے لیے دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے اور اُن کے گھر ویران ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود تو خوشی اور اطمینان سے زندگی بسر کر رہا ہے۔“

جاگیردار خاموشی سے بزرگ کی کھری کھری باتیں سن رہا تھا اور ندامت سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔ بزرگ نے آخر میں کہا۔

”بد نصیب آدمی! مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ ساری دنیا جس سے نفرت کرے اور سب

مخلوق خدا اس کی دشمن ہو وہ کیسے چین سے سوتا ہے اُسے کیسے پرسکون نیند آ جاتی ہے۔“

”میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں۔“ جاگیر دار نے آہستہ سے کہا۔

”محض شرمندہ ہونے سے مظلوم کی داد رسی ہو سکتی ہے؟“ بزرگ نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ارے بد بخت! اپنے ظلم سے باز رہ یہ سوچ کہ کل خدا تعالیٰ مظلوم کو حاکم اور تجھے محکوم بنا سکتا ہے۔ پھر تجھے پر کوئی بھی ترس نہیں کھائے گا، کوئی تجھے رحم کی بھیک نہیں دے گا۔“

سبق:- اگر خدا نے تجھے طاقتور بنایا ہے تو اپنی طاقت سے مخلوق خدا پر ظلم مت کر۔ بلکہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مظلوموں کو ظالموں کے عتاب سے نجات دلا۔



دو بھائی

ایک درویش ایک بار کہیں جانے کے لئے کشتی میں سفر کر رہے تھے۔ اس کشتی میں اُس درویش کے علاوہ ایک مال دار آدمی بھی سوار تھا۔ اُن کی کشتی کے پیچھے ایک اور کشتی آرہی تھی۔ اس دوسری کشتی میں چند مسافر سفر کر رہے تھے۔ جب مسافروں والی دوسری کشتی دریا کے وسط میں پہنچی تو گرداب میں پھنس کر الٹ گئی اور اُس کے مسافر پانی میں غوطے کھانے لگے۔ غوطے کھانے والوں میں دو افراد سگے بھائی تھے۔

درویش کے ہم سفر مالدار شخص نے اپنی کشتی کے ملاح سے کہا۔

”بھائی۔ جلدی سے ان مسافروں کی مدد کرو۔ اگر تم نے ڈوبنے والوں کو بچا لیا تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔“

اُس ملاح نے انعام کا سنا تو اُس کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ فوراً ہی دریا میں کود کر دوسری کشتی کے مسافروں کی طرف لپکا جو غوطے کھا رہے تھے اور جان بچانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔

چند منٹ کی جدوجہد کے بعد ملاح نے دونوں سگے بھائیوں میں سے ایک کو بچا لیا جبکہ دوسرا ڈوب گیا۔ ملاح بچ جانے والے بھائی کو اپنی کشتی پر لے آیا۔



”دوسرے بے چارے کی عمر ختم ہو چکی تھی اس لیے اُسے نکالنے میں تم سے دیر ہو گئی۔“ درویش نے ملاح سے کہا۔

”آپ کی بات سچ ہے۔“ ملاح نے ہنس کر کہا۔ ”لیکن اُسے بچانے کی میری اپنی نیت بھی نہیں تھی۔“

”آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ تم نے ایک کو بچا لیا اور دوسرے کو ڈوبنے دیا۔“ درویش نے پوچھا۔

ملاح کہنے لگا۔ ”بہت دن پہلے کی بات ہے میں ایک جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ چلتے چلتے میں تھک گیا تو ایک جگہ

بیٹھ گیا۔ اتفاق سے کچھ دیر بعد یہ دونوں بھائی ایک اونٹ پر سوار وہاں سے گزرے۔ اس بھائی نے مجھے تھکا ہوا دیکھ کر مجھ

پر ترس کھایا اور اونٹ پر سوار کر لیا۔ لیکن اُس کے بھائی نے مجھ سے جھگڑا کیا اور مجھے کوڑا مارا۔

اب میں نے اُسے ڈوبتا دیکھا تو مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس وجہ سے اُسے ڈوبنے دیا کہ اس نے مجھے خواہ

مخواہ کوڑا مارا تھا۔ اور اس آدمی کو اس لیے بچا لیا کہ اس نے بھائی کی مخالفت کے باوجود مجھے اونٹ پر سوار کرا کے مجھ پر

احسان کیا تھا۔ یہ میرا محسن ہے۔“

اس ملاح کی بات سن کر درویش نے سوچا کہ انسان ایک نہ ایک دن اپنے کئے کی سزا ضرور پاتا ہے۔

سبق:- جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ کسی سے نیکی کرو گے تو کوئی تم سے بھی نیکی کرے گا۔ آدمی جیسا عمل کرتا ہے اُسے ویسا

ہی پھل ملتا ہے۔



حاتم طائی کا قتل

حاتم طائی اپنی سخاوت اور دریادلی کے سبب سارے عرب میں مشہور تھا۔ لیکن یمن کا بادشاہ خود کو حاتم سے زیادہ سخی سمجھتا تھا۔ وہ بہت رعایا پرور اور سخاوت میں مشہور بادشاہ تھا۔ سخاوت کی کثرت کے سبب اس بادشاہ کو ”بخشش کا بادل“ کہنا درست ہوگا۔ اُس میں ساری خوبیاں تھیں مگر ایک برائی سے وہ خود کو محفوظ نہ رکھ سکا تھا۔ اور وہ چیز تھی حسد۔ حسد آدمی کو کبھی سکون نہیں لینے دیتا۔ چنانچہ یمن کا بادشاہ بھی حسد میں مبتلا تھا۔ وہ حاتم طائی سے حسد رکھتا تھا اور سخاوت میں اسے اپنا حریف سمجھتا تھا۔ یہ حسد اتنا بڑھا کہ وہ حاتم طائی کو اپنا دشمن سمجھنے لگا کیونکہ بے پناہ سخاوت کرنے کے باوجود اسے حاتم طائی جتنی شہرت حاصل نہ تھی اور جب بھی کہیں سخاوت کا ذکر ہوتا تو حاتم طائی کی مثالیں دی جاتی تھیں۔

رفتہ رفتہ یمن کے بادشاہ کا حاتم طائی سے حسد اتنا بڑھ گیا کہ اگر کوئی اُس کے سامنے حاتم کا نام بھی لیتا تو وہ غضبناک



ہو جاتا۔

”ارے۔ کس بے وقوف کی سخاوت کا ذکر کرتے ہو۔ وہ مجھ سے زیادہ سخاوت نہیں کر سکتا۔ جس کے پاس نہ سلطنت اور نہ مال و دولت ہو، وہ بھلا کیا سخاوت کرے گا۔“ بادشاہ نفرت سے کہتا۔ ”سخاوت خالی جیب نہیں ہوا کرتی۔“

ایک دفعہ کا ذکر ہے، اُس بادشاہ نے اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک جشن کا انتظام کیا۔ اس جشن عام میں بادشاہ نے اپنی دریا دلی اور سخاوت سے لوگوں کو حیران کر دیا۔ اُس نے ہر خاص و عام، ضرورت مند اور بے ضرورت لوگوں کو طرح طرح سے نوازا اور سب کی جھولیاں بھر دیں۔ کسی کو بھی اپنی سخاوت و بخشش سے محروم نہ رکھا۔

اگرچہ یمن کے بادشاہ کی سخاوت محض دکھاوانہ تھا بلکہ وہ واقعی نیک دل، سخی اور رعایا کا ہمدرد تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ وہ حاتم طائی سے چلتا ہے۔ اس لیے کسی نے جشن میں ازراہ مذاق حاتم کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس پر کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تائید میں حاتم کی سخاوت کی تعریف شروع کر دی۔ بس پھر کیا تھا۔ بادشاہ حاتم کی تعریف برداشت نہ کر سکا اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اُس نے سمجھ لیا کہ جب تک حاتم طائی زندہ ہے، لوگ مجھے سخی نہیں کہیں گے۔ حاتم کی وجہ سے میری شہرت محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ حاتم کے جیتنے جی میں کبھی بھی حاتم جتنی شہرت حاصل نہ کر سکوں گا حالانکہ میں حاتم سے زیادہ مال و دولت کی سخاوت کرتا ہوں۔

یمن کے اس بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ اُس کی شہرت کی راہ میں حاتم طائی کا وجود دیوار بنا ہوا ہے۔ اور اس دیوار کو گرانا ضروری ہے۔ چنانچہ اُس نے حاتم طائی کو قتل کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے خفیہ طور پر اپنے وفادار سپاہیوں میں سے ایک بااعتماد اور بہادر نوجوان کا انتخاب کیا اور اسے حاتم کا سر کاٹ کر لانے کا حکم دیا۔ ”عادل.....“ بادشاہ نے سپاہی سے کہا۔ ”اگر تم حاتم طائی کا سر کاٹ کر لے آئے تو میں تمہیں کو تو مال بنا دوں گا۔“

اس کے علاوہ بھی بادشاہ نے سپاہی عادل کو انعام و اکرام کا لالچ دیا اور عادل حاتم طائی کو قتل کرنے کی نیت سے قبیلہ بنی طے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ دن رات سفر کرتا ہوا منزل کے قریب جا پہنچا۔ ابھی وہ قبیلہ کی بستی سے کچھ دُور ہی تھا کہ راستے میں ایک آدمی مل گیا۔ عادل کو وہ شخص بہت مخلص اور مہربان محسوس ہوا۔ اس شخص سے خلوص و مروت کی بو آ رہی تھی۔ بظاہر بھی وہ بہت خوبصورت، بااخلاق اور منسا رکھائی دیتا تھا۔

”آپ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟“ اس آدمی نے عادل سے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

دل نے جواب میں کہا۔ ”مسافر ہوں۔ یمن سے آیا ہوں۔ رات اس بستی میں گزار کر آگے چلا جاؤں گا۔“
 ”اگر آپ مجھے شرف میز بانی بخشیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ میرا گھر بستی میں ہی ہے۔“ اس آدمی نے کہا۔

عادل نے سوچا کہ اس آدمی سے حاتم کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ عادل کی طرح وہ آدمی بھی نو جوان تھا۔ وہ نو جوان عادل کو مہمان بنا کر بستی میں اپنے گھر لے آیا۔ گھر آتے ہی اس نے عادل کے لیے اچھے اچھے کھانے پکوائے اور اس کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ عادل اس کی خوش خلقی اور خدمت گزاری سے بہت متاثر ہوا۔ اس نو جوان نے رات بھر عادل کی بڑی خاطر تواضع کی۔ پھر بھی معذرت کی۔

”اے مہربان۔ گھر میں جو کچھ تھا، میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔“ نو جوان نے عادل سے کہا۔ ”مجھے نہایت افسوس ہے کہ میں آپ کی شایان شان خدمت نہیں کر سکا۔ ایک میزبان کی حیثیت سے میں آپ کا حق میز بانی ادا نہیں کر سکا جس پر میں بے حد شرمندہ ہوں اور آپ سے معافی چاہتا ہوں۔“

عادل اُس کی بات سن کر بہت متاثر ہوا۔ اس کی خوش اخلاقی اور خاطر تواضع عادل کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ صبح عادل کو بڑے تکلف ناشتا دیا گیا۔ پھر عادل نے نو جوان سے روائگی کی اجازت



چاہی۔ نو جوان میزبان نے کہا۔

”اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے جناب۔ چند دن اور میرے غریب خانہ میں قیام فرمائیں۔“

اس کی درخواست سن کر عادل بولا۔ ”میں تمہارے پاس زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ ایک بہت ہی ضروری کام سے جا رہا

ہوں۔“

”کیا آپ مجھے اس کام کے بارے میں بتا سکتے ہیں؟“ نو جوان نے پوچھا۔

”نہیں۔ یہ ایک راز ہے۔ اگر کھل گیا تو شاید میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکوں۔“

نو جوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جناب۔ اگر آپ مجھے اس راز کے بارے میں بتادیں تو ہو سکتا ہے میں بھی اس

میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ آپ بے فکر ہو کر بتائیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھوں گا۔“

عادل اس کے حسن اخلاق کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ اس نے سوچا کہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ وہ نو جوان

میزبان سے کہنے لگا۔ ”اچھا۔ میں تجھ جیسے نو جوان اور بہادر آدمی پر بھروسہ کرتے ہوئے بتا رہا ہوں اس لیے یہ راز دل میں

رکھنا۔ تم حاتم طائی کو تو جانتے ہی ہو گے جو بڑا سخی ہے اور اپنی سخاوت کے سبب مشہور ہے۔ میں یمن کے بادشاہ کا وفادار

ہوں۔ اس کی وجہ مجھے معلوم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یمن کا بادشاہ اسے اپنا حریف سمجھتا ہے اور اس نے مجھے حاتم کا سر کاٹ

لانے کا حکم دیا ہے۔ امید ہے تم یہ راز کسی کو نہیں بتاؤ گے اور مجھے حاتم طائی کے گھر تک پہنچا دو گے۔“

عادل کی بات سن کر نو جوان ہنس پڑا۔ عادل نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”تم شاید میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو؟“

”نہیں جناب۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس معاملے میں سنجیدہ ہیں۔“ نو جوان نے تیزی سے کہا۔

پھر اس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور بڑے احترام سے عادل کو پیش کر دی۔ عادل نے حیرت سے اسے گھورا۔

”کیا مطلب۔ تم مجھے اپنی تلوار کیوں دے رہے ہو۔“

”تلوار ہی نہیں اپنا سر بھی آپ کو دے رہا ہوں جناب۔“ نو جوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میرا سر حاضر ہے، کاٹ

لیں مگر جلدی کریں۔ سورج نکلنے سے پہلے پہلے میرا سر کاٹ کر چلے جائیں کیونکہ پھر میرے عزیز اور گھر والے بیدار ہو جائیں

گے اور آپ کے لیے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔“

یہ کہہ کر نو جوان زمین پر اس کے آگے بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔ عادل نے شیشا کر کہا۔ ”مگر مجھے تو حاتم طائی کا

سر چاہیے۔“

”میں ہی حاتم ہوں مہربان۔ دیر مت کریں۔ میرا سر کاٹ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے جائیں۔“ نو جوان بولا۔

عادل اس انکشاف پر بُری طرح اچھل پڑا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نو جوان حاتم طائی کو دیکھنے لگا جیسے یقین نہ آرہا ہو کہ وہ حاتم ہی ہے یا مذاق کر رہا ہے۔ حاتم طائی سر جھکائے اُس کے آگے بیٹھا رہا۔ عادل کے دل پر گھونسا پڑا اور وہ سوچنے لگا۔

”غضب خدا کا! میں جس کو قتل کرنے آیا ہوں، وہ اتنا بااخلاق اور بلند کردار آدمی ہے کہ اسے قتل کرنا سخت ترین گناہ ہوگا۔ ایسے خوش اخلاق، با مروت اور سچے آدمی پر تو اپنی جان قربان کر دینی چاہیے۔“

عادل حیرت اور ندامت کے سبب بدحواس ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ سے حاتم کی تلوار گر گئی۔ وہ کرسی سے اٹھا اور جذبات سے مغلوب ہو کر حاتم طائی کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اُس پر کچھ ایسی دیوانگی طاری ہوئی کہ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکال کر پھینک دی، تیر کمان توڑ ڈالے اور غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ کر حاتم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس نے حاتم سے کہا۔

”اے نیک دل نو جوان۔ تیری حقیقت معلوم ہونے کے بعد تمہیں قتل کرنا تو دُور کی بات ہے اگر میں تجھے پھول بھی ماروں تو یہ بہادری نہیں بلکہ بزدلی اور زنا نہ فعل ہوگا اور دنیا میں میں سب سے بڑا گناہ گار ترین آدمی ہوں گا۔“

پھر اُس نے حاتم سے گلے مل کر اس کی پیشانی اور آنکھوں کو چوما اور اس سے رخصت کی اجازت لے کر واپس یمن کو چل دیا۔ جب عادل یمن کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس نے عادل کی شکل دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنی مہم سے ناکام لوٹا ہے اور اُسے حاتم کے قتل میں کامیابی نہیں ہوئی۔ عادل سر جھکا کر مجرموں کی طرح بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”عادل۔ تیرے ہاتھ خالی کیوں ہیں؟ تیرے پاس حاتم طائی کا سر کیوں نہیں ہے بد بخت؟“ بادشاہ دھاڑا۔

”معافی چاہتا ہوں عالی جاہ۔ میں مجبور تھا۔“ عادل آہستہ سے بولا۔

”ارے کبخت۔ مجھے سارا ماجرا سنا کہ تم پر کیا افتاد پڑی۔“ بادشاہ نے غضبناک ہو کر کہا۔ ”شاید حاتم طائی تجھ سے زیادہ بہادر نکلا اور تو کمزوری اور بزدلی کے سبب اس کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ جو بھی حقیقت ہے بیان کر۔“

عادل نے محسوس کیا کہ اسے بادشاہ سے کوئی خطرہ نہیں، وہ تو حسد کی آگ میں جل رہا ہے اور اپنے حریف کا حال جاننے کے لئے بے تاب ہے۔ چنانچہ اُس نے پورے شاہی آداب کے ساتھ پہلے تو بادشاہ کی تعریف کی پھر بے خوف ہو کر کہنے لگا۔

”اے ہوش مند بادشاہ سلامت۔ میری ناکامی پر چاہے تو مجھے قتل کر دے لیکن حاتم کی باتیں غور سے سن کہ یہ توجہ سے سننے کے لائق ہیں۔ حاتم بے حد مشہور و معروف، بائزر، خوبصورت اور خوش اخلاق نوجوان ہے۔ وہ بے حد سخی اور انتہائی عقل مند انسان بہادری میں مجھ سے بڑھ کر ہے۔ میں اُس کا قاتل بننے گیا تھا مگر اُس نے مجھ پر اتنے احسانات کیے اور اتنی مہربانی و مروت سے پیش آیا کہ میری نگاہیں جھک گئیں۔ اس کی مہربانی و احسانات کے بوجھ سے میری کمر جھک گئی۔ عالی جاہ! اُس نے گویا احسانات کی تلوار سے مجھے ہی قتل کر ڈالا ہے اور میں حاتم کا قاتل نہیں بلکہ حاتم کا مقتول ہوں۔ پھر بھلا میں اُسے کیسے قتل کرتا جس نے اپنے اخلاق اور حُسن سلوک سے مجھے ہی قتل کر ڈالا تھا۔“

عادل نے حاتم کے اخلاق اور بلند کردار کے واقعات تفصیل سے بیان کئے تو بادشاہ بھی حاتم کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ سخاوت واقعی حاتم کا ہی حق ہے اور لوگ اس کی سخاوت کی صحیح تعریف کرتے ہیں۔ پھر بادشاہ نے عادل کو حسب وعدہ انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

سخی وہ ہے جو مشکل وقت میں اپنی جان بھی سخاوت کر دے۔



ظالم بادشاہ

کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بادشاہ نہایت ظالم تھا اور اس کی رعایا اُس سے بہت تنگ تھی۔ ظالم بادشاہ شکار کا بہت شوقین تھا۔ وہ روزانہ جنگل میں شکار کھیلنے جاتا تھا۔ اس کے چند درباری اور سپاہی بھی اُس کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ظالم بادشاہ شکار کے لیے جنگل میں گیا اور اپنے گھوڑے کو اتنا تیز دوڑایا کہ اپنے ساتھیوں سے بہت آگے نکل گیا۔ اس طرح وہ اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گیا۔ جب اُس نے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی تو ناکام رہا۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اندھیرا پھیلنے لگا۔ اندھیرے میں راستہ دیکھنا مشکل ہو گیا تو وہ قریب کے ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ گاؤں والے بادشاہ کو نہ پہچان سکے۔ کیونکہ سارے دن کے سفر نے اُس کا خلیہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ رات گزرنے کے لیے گاؤں میں ٹھہر گیا۔ وہاں اُس نے ایک عجیب سا منظر دیکھا۔ ایک دیہاتی کُرد (ایک قوم کا نام) ایک بہت موٹا تازہ اور صحت مند گدھا لیے جارہا تھا مگر دیہاتی کُرد کے ہاتھ میں ایک موٹی اور لمبی سی ہڈی تھی اور وہ اس ہڈی سے اپنے گدھے کو پیٹتا جا رہا تھا۔

بادشاہ نے یہ نظارہ دیکھا تو اُسے دیہاتی کُرد پر بہت غصہ آیا۔ دیہاتی شخص بڑی بے رحمی سے پیچارے گدھے کو



پیٹ رہا تھا۔ وہ گنوار اس طرح غریب گدھے کو پیٹ رہا تھا جیسے گدھا جاندار ہی نہ ہو یا زندہ کی بجائے مصنوعی گدھا ہو۔ بادشاہ پہلے تو غصے سے دانت پیتا ہوا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر غضب ناک ہو کر دیہاتی سے بولا۔

”بے وقوف آدمی،..... بھڑو..... میری بات سنو۔ اسے مت مارو۔“

”بے وقوف میں نہیں‘ یہ گدھا ہے جناب۔“ دیہاتی تیزی سے بولا۔

”وہ تو ٹھیک ہے‘ گدھے ہوتے ہی بے وقوف ہیں ورنہ انہیں گدھا کیوں کہا جائے۔ لیکن تم اسے پیٹ کر ثابت کر رہے ہو کہ تم بھی اس کی طرح گدھے ہو۔ کیوں کہ کسی بے زبان کو مارنا سراسر بے وقوفی ہے۔“

ارے ظالم تو نے تو ظلم کی انتہا کر دی ہے۔“ بادشاہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”اگر خُدا نے تجھے طاقتور بنایا ہے‘ تجھے اختیار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تُو بے زبان جانوروں پر ظلم کرتا پھرے۔ اس بے رحمی اور ظلم سے باز رہ۔“

دیہاتی کُرد بادشاہ کو نہیں جانتا تھا۔ اُسے بادشاہ کی نصیحت بہت بُری محسوس ہوئی۔ اس نے بادشاہ کو ڈانٹا اور غصے سے بادشاہ کو گھورتا ہوا کہنے لگا۔

”تُو میرے معاملے میں ٹانگ اڑانے والا کون ہوتا ہے بے وقوف۔ میں اس گدھے پر ظلم نہیں کر رہا ہوں اور نہ وجہ کے بغیر



اسے پیٹ رہا ہوں بلکہ اس میں بھی حکمت و مصلحت ہے جس کی تجھے خبر نہیں اور نہ تو جان سکتا ہے۔ تیرے جیسے بے خبر کو کیا پتا قدرت نے کس کی قسمت اچھی بنائی ہے اور اس میں کیا راز پوشیدہ ہے اور اگر قسمت بُری بنائی ہے تو اس میں کیا مصلحت ہے۔ تم تو شکل سے ہی بے وقوف لگتے ہو جو.....؟“

”خاموش رہ بد زبّان۔“ بادشاہ غضب ناک ہو کر دھاڑا۔ ”مجھے تیری ایک بات بھی سمجھ نہیں آ سکی۔ تو اپنے بُرے فعل کو اس گدھے کی قسمت بتا رہا ہے۔ آخر تو وجہ کیوں نہیں بتاتا اس بے زبّان اور مظلوم کو پینے کی؟“

دیہاتی کر دے منہ بنایا اور اُکتائے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔ ”اوہو۔ تم میری بات سمجھتے کیوں نہیں احمق آدمی! میں نے بتایا تو ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہے۔ تمہارا روزانہ کسی نہ کسی سے یا بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہوگا جن کا کوئی فعل بلا ضرورت اور بلا مصلحت نظر آتا ہوگا۔ لیکن تم غور سے دیکھو تو تمہیں بھی اُن کی مصلحت کا قائل ہونا پڑے گا۔ مگر شاید تمہیں غور و فکر کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔“

دیہاتی کر دے باتیں بادشاہ کا غصّہ تیز کرتی جا رہی تھیں مگر وہ ضبط سے کام لے رہا تھا۔ تنگ آ کر بولا۔
”لہتا۔ تم ہی بتاؤ اس مار پیٹ میں کیا مصلحت ہے۔ ارے مصلحت تو کیا ہوگی، مجھے تو تم عقل سے ہی پیدل معلوم ہوتے ہو۔“

دیہاتی کی باتیں سُن کر بادشاہ نے سوچا کہ اس دیہاتی کی باتوں سے شکست کھانے کے بجائے اُسے ملزم بنانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ وہ خضر علیہ السلام کے واقعہ کی مصلحت ظاہر کرنے لگا۔ اس نے دیہاتی سے کہا۔
”ارے احمق۔ خضر علیہ السلام نے تو کشتی اس لیے توڑی تھی کہ اس دریا میں ایک ظالم جو لوگوں کی کشتیاں بیگار کے لیے پکڑ لیتا تھا۔ چنانچہ اگر وہ کشتی دُرس ت ہوتی اور اس میں کوئی عیب نہ ہوتا تو اسے بھی اس کے کارندے پکڑ کر لے جاتے اور کوئی معاوضہ دیے بغیر کشتی سے بیگار لے لی جاتی۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ کر اسے ظالم کی دست بُرد سے بچا لیا تھا۔“

کر دے دیہاتی بڑا دانش مند اور معاملہ فہم شخص تھا۔ وہ بادشاہ کی مصلحت آمیز بات سُن کر بے ساختہ ہنسنے لگا۔

بادشاہ کو اس کی گستاخی پر بہت غصّہ آیا۔ وہ غضب ناک ہو کر بولا۔ ”بے وقوف! ہنسنے کی بجائے بات کرو۔“
”بات کیا کروں۔ بات تم نے خود ہی واضح کر دی ہے کہ میں اپنے گدھے کو مارنے میں حق بجانب ہوں۔ کیونکہ جس طرح حضرت خضر علیہ السلام کو ایک ظالم سے کشتی کے چھن جانے کا اندیشہ تھا۔ اسی طرح مجھے ایک ظالم اور بے انصاف بادشاہ کی

طرف سے گدھے کے پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔“ بادشاہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”مطلب صاف ہے میں اس گدھے کو اس لیے زخمی کر رہا ہوں کہ یہ ظالم بادشاہ کی گرفت سے بچ جائے۔“

وہ بادشاہ دیہاتی کڑو کی کیسی باتیں سن کر بہت خفا ہوا مگر اس وقت وہ خود مصیبت میں تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا

کہ وہ بادشاہ ہے۔ چنانچہ وہ غصہ ضبط کر کے ایک جگہ زمین پر لیٹ گیا مگر پریشانی اور اندیشوں کے سبب ساری رات سونہ

سکا۔ اسی فکر پریشانی میں رات بیت گئی۔ صبح مرغ کی بانگ سن کر اُس کے ذہن سے سب فکر و اندیشے دُور ہو گئے۔

اُدھر بادشاہ کے ہمراہی اور سپاہی بادشاہ کی گمشدگی سے ساری رات پریشان رہے اور سارا جنگل چھان مارا تھا۔ صبح انہوں نے

چاروں طرف سپاہی دوڑائے۔ آخر چند ہرکارے اس گاؤں میں جا پہنچے جہاں بادشاہ نے زمین پر کروٹیں لیتے ہوئے رات

گزاری تھی۔ بادشاہ ان ہرکاروں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا۔ بادشاہ کے مصاحب اور امیر وزیر بادشاہ کو آدیکھ کر خوشی سے

ایسے بدحواس ہوئے کہ شاہی آداب بجالانا بھی بھول گئے۔ وہ بادشاہ کے قریب جا کر سلام کرنے لگے۔ بادشاہ کے ملنے پر

سب امیروں اور سرداروں نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر کھانے پینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کھانا کھانے کے لیے وہیں

دستر خوان بچھا دیا گیا۔ کھانے کے بعد ناچ گانے کی محفل جمی۔ بادشاہ کو اس محفل میں گزشتہ رات کے واقعات یاد آئے اور اس



بے ادب دیہاتی کڑو کی باتیں ذہن میں تازہ ہو کر ہتھوڑے برسائے لگیں۔

بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس بے ادب اور گستاخ کڑو کو تلاش کیا جائے اور گرفتار کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس کے حکم پر سپاہی گئے اور کڑو کو تلاش کر کے گرفتار کر لیا۔ اس بے چارے کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دربار میں لایا گیا اور بادشاہ کے تخت کے آگے ڈال دیا گیا۔ اس ظالم بادشاہ نے دیہاتی کڑو کو اپنے قدموں میں دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے دیہاتی سے اس کی گستاخی اور گفتگو میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے نیام سے تلوار نکالی اور اس غریب اور



بے گناہ آدمی پر تان لی۔ وہ دیہاتی سے انتقام لینے کے لئے اس کی گردن کاٹنا چاہتا تھا۔ اور اس کے ہمراہی لشکری سب خاموشی سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

گدھے والا دیہاتی کڑموت کی آغوش میں پہنچنے والا تھا اور تمام درباری دیکھ رہے تھے۔ جب دیہاتی نے دیکھا کہ آج اس کی زندگی کا آخری دن ہے تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا، موت سے فرار ہونا ممکن نہیں۔ موت تو آ ہی رہی ہے تو پھر کیوں نہ بادشاہ کو کھری کھری سنائے اور اسے عوام کی بُری حالت سے آگاہ کر دے۔ شاید اس طرح وہ ظالم ظلم و ستم سے باز آجائے اور رعایا سے اچھا سلوک کرنے لگے۔

اس سوچ نے دیہاتی کی زبان کو نیزہ و تلوار سے زیادہ تیز کر دیا اور وہ تمام خوف بالائے طاق رکھ کر بادشاہ پر برس پڑنے کے لئے کمر بستہ ہو گیا۔ اس مظلوم دیہاتی نے بادشاہ کو مخاطب کیا تو اس کی زبان تلوار کی طرح کاٹنے اور چیرنے لگی۔ ”اے بادشاہ! مجھے تیری تلوار موت سے نہیں ڈرا سکتی۔ موت تو حق والوں کے لئے سکونِ قلب کا باعث بنتی ہے کہ اس کے بعد ابدی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اور وہی اصل زندگی ہے۔ یہ اپنے اپنے ایمان کی بات ہے۔ تیرے نزدیک سب سے بڑی سزا یہی ہے جو تو مجھے دینا چاہتا ہے اور میرے نزدیک یہ سعادت کی بات ہے کہ میں بے خطا و بے جرم تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں۔ کیونکہ تو ظالم ہے اور ظالم کے ہاتھوں قتل ہونے والا مظلوم شہید ہوتا ہے۔“

دیہاتی کڑداس وقت بڑی جرات و بے باکی سے کسی ایسے شخص کی مانند بول رہا تھا جو بہت سے دشمنوں میں تنہا گھر جائے اور اس موہوم سی اُمید پر اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دے کہ شاید وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔ لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیہاتی کو دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اس کی جرات و مردانگی کی تعریف کر رہے تھے۔ دیہاتی بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑے بے خوف لہجے میں کہہ رہا تھا۔

”عالی جاہ! مجھے یقین ہے کہ جورات قبر میں آنی ہے وہ گاؤں میں نہیں آسکتی۔ تم چاہو بھی تو اسے تبدیل نہیں کر

سکتے۔“

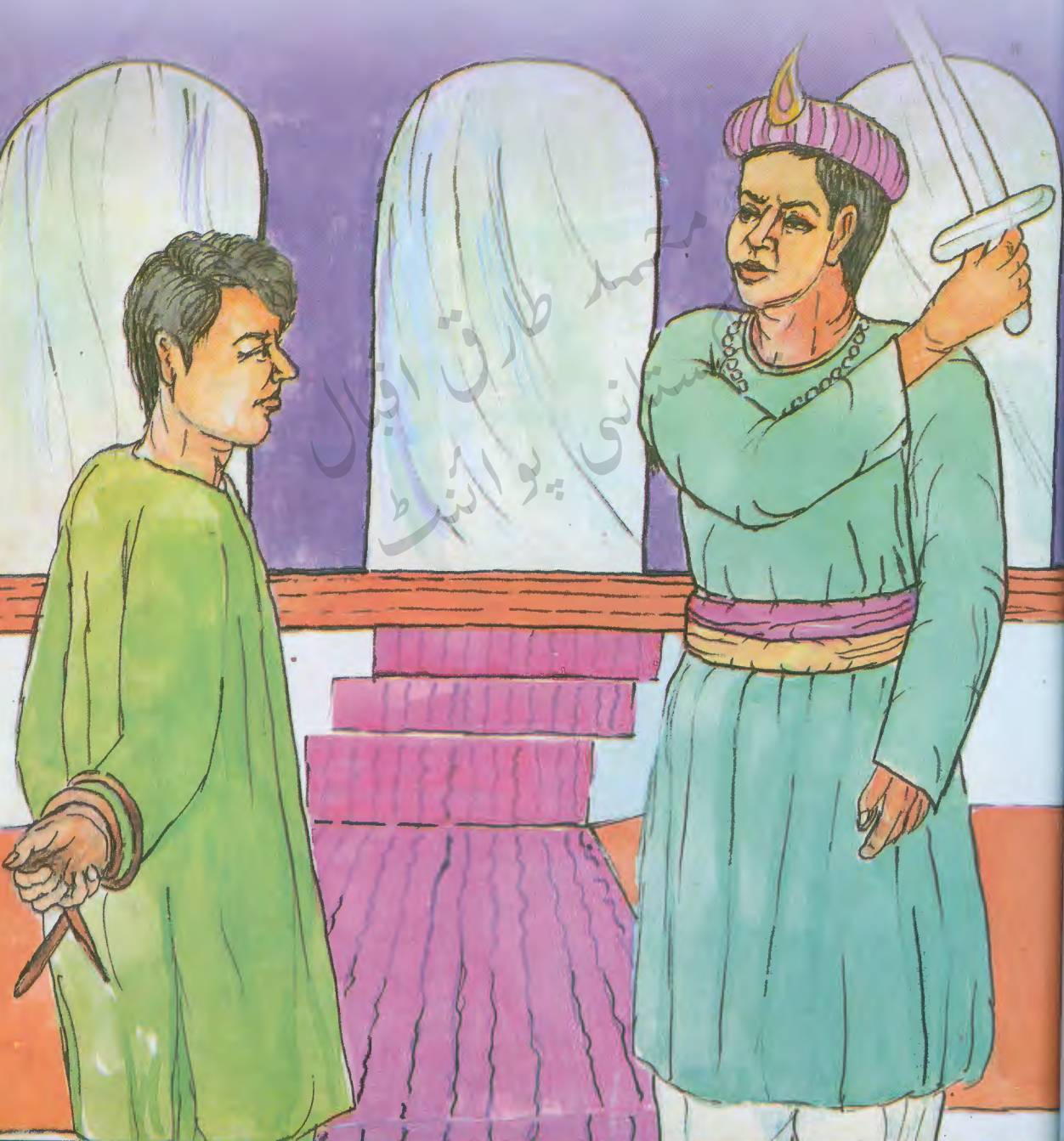
”کیا مطلب ہے تمہارا گستاخ“ بے ادب گنوار۔“ بادشاہ نے کڑک کر کہا۔

”مطلب یہ ہے حضور کہ مجھے موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ اس لیے میں سچی بات کہنے سے نہیں رک سکتا۔“

دیہاتی کڑدنے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا ظلم و ستم ساری دُنیا میں مشہور ہو چکا ہے۔ مگر تیرے خوف سے لوگ تیرے سامنے زبان نہیں کھولتے اور خاموشی سے تیرا جبر و زیادتی برداشت کرتے ہوئے دل میں تجھے بُرا بھلا

کہتے اور بددعائیں دیتے ہیں۔ مگر میں چونکہ اب تیرے ہاتھوں زندگی کے بوجھ سے نجات پانے والا ہوں اس لئے موت سے بے خوف ہوں۔ یہ مت خیال کرنا کہ تیرے ظلم کا شکار صرف میں ہی ایک فریادی ہوں بلکہ ساری خلق خدا تم سے پریشان اور تنگ ہے۔“

”زبان کو لگام دے بد بخت۔ ورنہ ایک ہی وار میں سر قلم کر دوں گا۔“ بادشاہ دیہاتی کی سچی باتوں سے غضبناک ہو کر دھاڑا۔
 ”ہا ہا ہا.....!“ دیہاتی زور سے ہنسا۔ ”بادشاہ سلامت! مجھے بے شک قتل کر دے۔ خدا کی مخلوق میں سے تو ایک آدمی کو قتل



کردے گا تو اس سے کوئی فرق نہ پڑے گا۔ مگر میرے مرنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ میرے قتل کے بعد فریاد کرنے والے اور بھی مظلوم تیرے سامنے آجائیں گے۔ اتنی بڑی خلقت ہے آخر تو کس کس کو قتل کرے گا۔ کس کس کی زبان بند کرے گا؟ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ تو ہی ظلم سے باز آجائے۔“

”اس سے کیا ہوگا.....؟“ بادشاہ بھرے دربار میں ندامت محسوس کرتے ہوئے بولا۔

”دیکھ..... اس طرح نہ تو تیرا ظلم و ستم رہے گا اور نہ ہی کوئی فریاد کرنے والا ہوگا۔ اگر میری تنقید اور سچی بات سے تجھے دکھ ہوا ہے تو کیوں نہ تو اس بات کو ختم کر دے جو اس دکھ اور تنقید کا سبب ہے اور وہ بات محض تیرا ظلم و ستم اور تکبر ہے۔“

دیہاتی گدھے والے کی باتوں سے بادشاہ کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو گیا۔ اس نے دیہاتی کی نصیحت قبول کرتے ہوئے اسے سچا اور حق بجانب تسلیم کر کے آزاد کر دیا عوام سے نرمی و شفقت کا سلوک کرنے لگا۔

سبق:- اگر خدا نے تجھے طاقت و مرتبہ عطا کیا ہے تو یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اس نعمت سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا اور کسی پر ظلم نہ کر۔ ورنہ خدا تجھ سے یہ نعمت واپس لے کر تجھے کسی ایسے طاقتور کا محکوم بنادے گا۔ اور تجھ سے وہی سلوک کرے گا جو تو اپنی طاقت سے دوسروں کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ ظالم کا انجام برا ہوتا ہے اور مظلوموں کی آہیں اسے برباد کر دیتی ہیں۔



اللہ کا گھر

ایک خستہ حال بوڑھا فقیر مسجد کے دروازے پر کھڑا صدالگار ہاتھا۔ ایک شخص کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ فقیر مسجد کے دروازے پر کھڑا بھیک کے لئے صدالگار ہے تو اس نے قریب آ کر فقیر سے کہا۔



”بڑے میاں۔ کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہاں ٹھہرنے اور صدالگانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں کوئی بھیک نہیں دے گا۔“

”کیوں بیٹا۔ کیا یہاں سب میری طرح کنگال فقیر ہیں؟“ فقیر نے پوچھا۔ ”یا مانگنا جرم ہے۔“

”نہیں بڑے میاں۔“ وہ آدمی منہ بنا کر بولا۔ ”اصل بات یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا مکان نہیں جو تجھے خیرات دے۔“

”اوہ۔ تو پھر یہ کس کا گھر ہے جسے مجھ غریب پر رحم نہیں آتا اور نہ وہ کچھ عطا کرتا ہے؟“

”زبان کو لگام دے بھکاری۔“ اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”یہ تو کیا بکواس کرنے لگا ہے۔ توبہ کر توبہ۔ اس گھر کا مالک تو ساری کائنات کا مالک ہے۔ یہ خدا کا گھر ہے۔“

تب فقیر نے غور سے دیکھا تو اسے مسجد کی محرابیں اور قد ملیں وستون نظر آئے۔ حقیقت جان کر اس پر عجیب سا اثر ہوا اس نے نہایت غمزہ لہجے میں ایک نعرہ مارا اور کہنے لگا۔

”جب یہ خدا کا گھر ہے۔ اس خدا کا جو سب کو رزق عطا کرتا ہے، سب کا رازق اور خالق ہے تو پھر یہاں سے خالی جانا کتنی بد نصیبی ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ جب میں کسی ادنیٰ انسان کے دروازے سے بھی محروم نہیں گیا تو پھر اپنے خالق اور رازق کے دروازے سے کیوں محروم لوٹوں۔“

”عقل کے ناخن لو بڑے میاں۔“

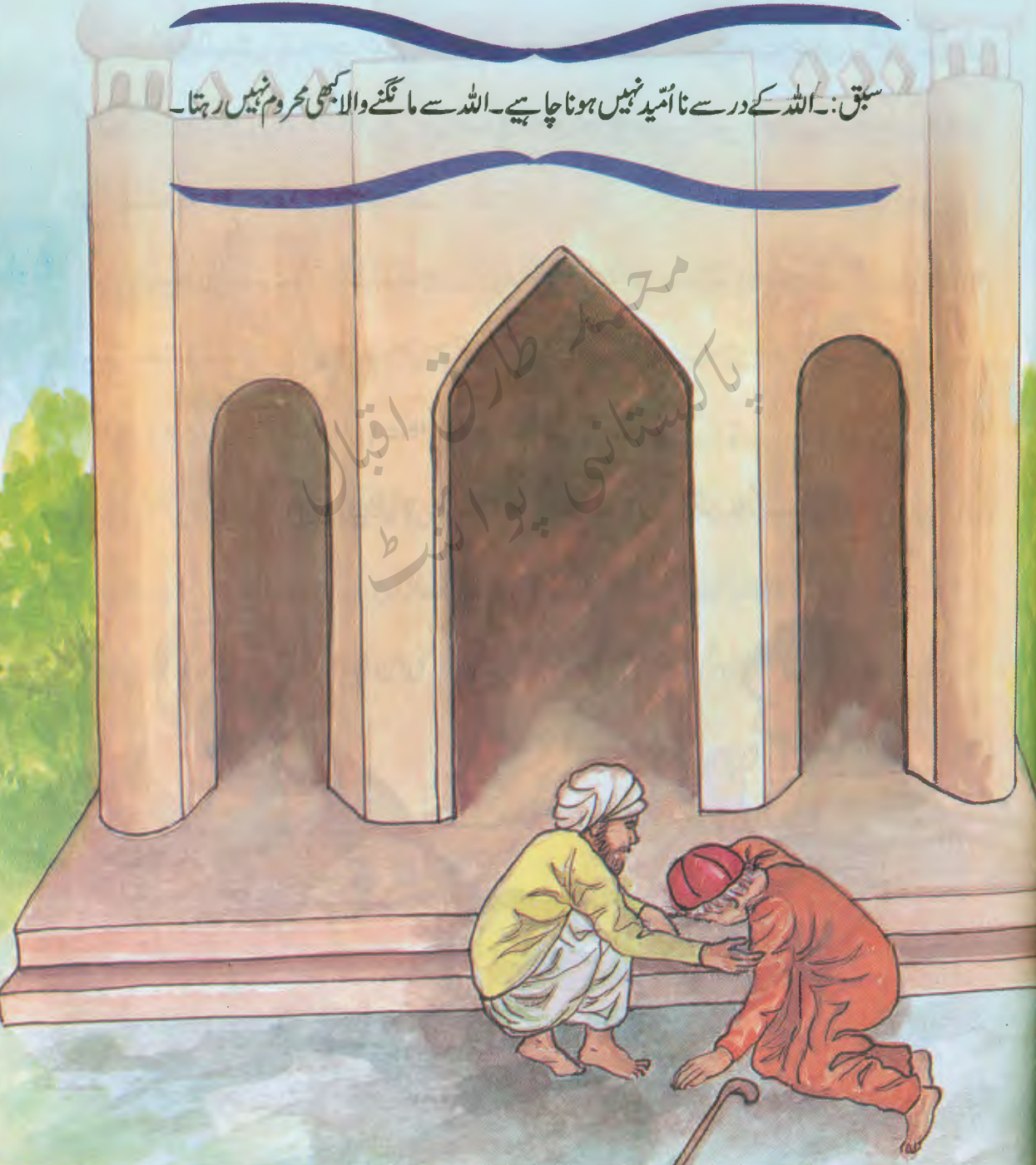
”نہیں۔ میں تو اب اپنا ہاتھ اسی کے در پر پھیلاؤں گا جو سب کا داتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں سے سوالی حالی ہاتھ نہیں جاسکتا۔ میں اب تک انسانوں کے آگے جھولی پھیلاتا رہا ہوں۔ آج اتفاق سے انسانوں کے خالق اور دنیا کے مالک کے در پر آ گیا ہوں تو یہاں سے ہرگز محروم نہیں جاؤں گا۔“

اس آدمی نے فقیر کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن فقیر نے اس کی ایک نہ مانی اور مسجد میں بیٹھ گیا۔ آخر اس شخص نے فقیر کو اس کے حال پر چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ فقیر ایک سال تک جم کر مسجد میں بیٹھا خدا کے حضور روتا دھوتا اور فریاد کرتا رہا۔ پھر اسی حال میں اسے مسجد میں ہی موت کا بلاوا آ گیا۔ مرتے وقت نزع کے عالم میں کمزوری کی وجہ سے وہ بہت تڑپا۔ صبح کے وقت ایک آدمی اس فقیر کا

حال دریافت کرنے آیا تو فقیر چراغ سحر کی طرح آخری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے منہ سے بڑبڑانے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس آدمی نے جھک کر غور سے سنا۔ فقیر کہہ رہا تھا۔
”جو شخص سخی کے در پر دستک دیتا ہے، وہ نامراد اور محروم نہیں جاتا۔“

سبق:- اللہ کے در سے نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔



ادیب کی مکاری

کسی مُلک میں ایک دولت مند بوڑھا رہتا تھا۔ وہ بہت رحم دل اور بخشنے والا تھا۔ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا اور یتیموں و محتاجوں کی امداد کرنا اس کا معمول تھا۔ اپنی رحم دلی اور سخاوت کے سبب وہ شہر میں مشہور تھا۔ کوئی حاجت مند اُس کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ نوکر نے اُسے اطلاع دی کہ ایک مصنف اس سے ملنے آیا ہے۔ بزرگ شخص نے نوکر سے کہا۔ ”اُسے اندر لے آؤ مگر پوری عزت و احترام کے ساتھ کیونکہ ادیب لوگ بڑے حساس اور نازک طبع ہوتے ہیں۔ معمولی سی بات پر دل برداشتہ ہو کر اس بات کا افسانہ بنا دیتے ہیں۔“

نوکر باہر گیا اور اُس ادیب کو بڑی عزت کے ساتھ بزرگ کے پاس لے آیا۔ بزرگ نے بھی مصنف کی عزت کی



اور احتراماً اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔ پھر اُسے اپنے سامنے بٹھا کر نوکر کو اس کی خاطر تواضع کرنے کی ہدایت کی۔ نوکر فوراً ہی شربت اور پھل لے آیا۔ ادیب نے شربت پیا اور پھل کھانے لگا۔ نوکر کے باہر جانے کے بعد بزرگ نے ادیب سے کہا۔

”فرمائیے ادیب صاحب۔ اور کیا خدمت کی جائے آپ کی؟ آپ نے یہاں آ کر میری عزت افزائی کی ہے۔ کیونکہ آپ جیسے ادیبوں کے پاس لوگوں سے ملنے کا بہت کم وقت ہوتا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے شرفِ ملاقات بخشا ہے۔“

ادیب نے ٹھنڈا سانس لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر بزرگ کو حیرت ہوئی۔ اُس نے پوچھا۔

”آپ کیوں رورہے ہیں جناب؟ میری بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو معافی چاہتا ہوں۔“

ادیب نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

”جناب! میں بہت پریشان ہوں۔ غُربت کے باعث میں ایک ظالم شخص کا قرض دار ہوں۔ میں نے اس شخص کے بیس درہم دینے ہیں اور وہ رقم کا تقاضا کر رہا ہے۔ تقاضا کرنے میں وہ اتنا سخت مزاج ہے کہ اس کے بیس درہم میرے لئے بیس من کے برابر بھاری ہیں۔ وہ اپنی رقم کی واپسی کا تقاضا کرنے کے لئے کسی جن کی مانند میرے سر پر سوار رہتا ہے۔ اور میرا تعاقب کرتا رہتا ہے۔“

”آپ نے ایسے آدمی سے قرض لیا ہی کیوں؟“ بزرگ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بس کیا بتاؤں جناب۔ بہت مجبوری تھی۔“ ادیب نے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”مگر اُس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ قرض کی وصولی میں اتنی سختی کرے گا۔ اب میں رات دن پریشان رہتا ہوں۔ اس کے سخت روئے اور بے ڈھنگے مطالبے سے میرا دل جل کر رہ گیا ہے اور اس میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔“

”حیرت ہے۔ بیس درہم تو نہایت معمولی رقم ہے۔“ بزرگ نے کہا۔

”جی ہاں۔ مگر وہ ظالم اس معمولی رقم کی واپسی کے لئے اتنا شدید تقاضا کرتا ہے جیسے اپنی ساری زندگی میں اُس نے صرف یہی رقم دیکھی ہے۔ میں نے اُسے کئی حدیثیں سنائی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے قرض کی وصولی کے لئے سختی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہیں رہی۔ اسے دین و مذہب سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بہت بے رحم آدمی ہے۔“

”اصول تو یہ ہے کہ اگر قرض دار، قرض کی رقم واپس کرنے سے معذور ہو تو اس کا قرض معاف کر دینا چاہیے۔“

بزرگ نے کہا۔

”معاف!“ ادیب نے منہ بنا کر کہا۔ ”ارے جناب! معاف کرنا تو دُرور کی بات ہے، وہ تو دھونس دھمکی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ رقم مانگنے آتا ہے تو پھر واپس جانے کا نام نہیں لیتا۔“

”وہ کیسے؟“ بزرگ نے حیرت سے کہا۔



ادیب کہنے لگا۔ ”اُس نے معمول بنالیا ہے کہ ہر صبح سورج طلوع ہوتے ہی میرے گھر کے دروازے پر آ جاتا ہے اور آتے ہی دستک دینا شروع کر دیتا ہے۔ پڑوسیوں میں میری بدنامی کرتا ہے۔ اور میں شرم کے مارے کسی سے ملاقات تک نہیں کرتا۔“

اس کے بعد ادیب نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ”بزرگوار۔ میں اس سخت مزاج قرض خواہ کے تقاضوں اور بدسلوکی سے نہایت پریشان ہوں اور کسی ایسے مہربان سخی کی تلاش میں ہوں جو میری امداد کرے اور مجھے اس کا قرض ادا کرنے کے لئے بیس درہم عنایت کر دے۔“

اُس غریب اور مجبور ادیب کی بات سن کر بزرگ کو اس پر رحم آیا اور اُس نے ادیب کو بیس درہم کی بجائے چالیس درہم دے دیئے۔ وہ مصنف درہم لے کر ایسا بھاگا کہ پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی لمحے بزرگ سے ملاقات کے لئے اندر آنے والے شخص نے ادیب کو درہم ہاتھ میں لے جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ آدمی ادیب کو جانتا تھا۔ اُس نے بزرگ سے ملاقات کے دوران پوچھا کہ اُس نے ادیب کو درہم کس وجہ سے دیئے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا۔

”وہ بے چارہ ایک غریب ادیب ہے۔ کسی سخت آدمی کا قرضہ واپس کرنا تھا اسے۔“

ملاقاتی نے بزرگ کا جواب سنا تو ہنس دیا۔ پھر کہنے لگا۔

”شاید آپ کو پتا نہیں کہ وہ شخص کتنا چھوٹا اور مکار آدمی ہے۔“

”اچھا۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ میرے لئے وہ اجنبی تھا۔ البتہ میں نے اس کا نام سن رکھا تھا۔“ بزرگ نے حیرت

کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ فریبی شخص بڑے بڑوں کو اپنے آنسوؤں سے رام کر لیتا ہے۔

اور ماہر قسم کے شطرنج بازوں کو بھی مات دے دیتا ہے۔ اُس نے یہ کاروبار بنا رکھا ہے کہ لوگوں کو اپنے دکھ کی جھوٹی کہانیاں

سنا کہ اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اُس نے آپ سے جو کچھ کہا وہ سراسر جھوٹ اور من گھڑت قصہ تھا۔ ”مُلا قاتی کی بات سن کر بُزرگ خفا ہو گیا۔ اُس نے مُلا قاتی سے کہا۔

”سُؤ۔ اگر تمہیں بولنا نہیں آتا تو میری بات سُننے کی ہی کوشش کر۔ اُس ادیب نے جو کچھ کہا اگر وہ سچ ہے تو میں نے مخلوق سے اُس کی عزت بچالی۔ اور اگر جھوٹ ہے تو اُس کی زبان سے میں نے اپنی عزت و آبرو بچالی۔ کیونکہ اگر میں اُس کی مدد نہ کرتا تو وہ میرے خلاف لوگوں سے باتیں کرتا اور میری نیک نامی خطرے میں پڑ جاتی۔“

مُلا قاتی نے حیرت سے کہا۔ ”مگر جناب! ایک بُرے اور دھوکے باز کی امداد کرنا جائز نہیں ہے۔“

”نہیں۔ ہمیں اچھے بُرے کی تمیز کئے بغیر لوگوں کی مدد کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اگر وہ اچھا ہے تو اُس کی مدد کرنا

نیک کام ہے اور اگر وہ بُرا ہے تو اُس کی امداد کر کے سخی اس کے شر سے بچ سکتا ہے۔“



سبق:۔ سخاوت یہ ہے کہ کسی کے اچھے بُرے کردار کو دیکھے بغیر اُس کی امداد کرنی چاہیے۔ اُس کی اچھائی بُرائی پر نگاہ رکھنا قدرت کا کام ہے۔

گھوڑا کھاؤ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ روم کے شاہی دربار میں عرب کے چند قاصد جو اپنے بادشاہ کی طرف سے شاہ روم کو تحائف پہنچانے کے لئے آئے تھے، کرسیوں پر بیٹھے دربار کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ قاصد اپنے ملک کا سفیر ہوتا ہے۔ اس لئے دوسرے ملک والے اس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اسے شاہی مہمان کی حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عربی قاصدوں کو بھی ان کرسیوں پر بٹھایا گیا تھا جو بادشاہ کے وزیروں، ہشیروں اور قریبی دوستوں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ایک سپاہی نے دربار میں آکر بادشاہ کو اطلاع دی کہ اس کا پسندیدہ اور شکاری گھوڑا بیماری کے سبب اس قابل نہیں رہا کہ بادشاہ اس پر سوار ہو کر شکار کے لئے جاسکے۔

اس اطلاع پر شاہ روم اُداس اور پریشان دکھائی دینے لگا۔ قریب بیٹھے وزیر اعظم نے بادشاہ کو ملول دیکھ کر کہا۔
 ”عالی جاہ! شاہی اصطبل میں بے شمار گھوڑے ہیں، آپ فکر مت کیجئے۔“



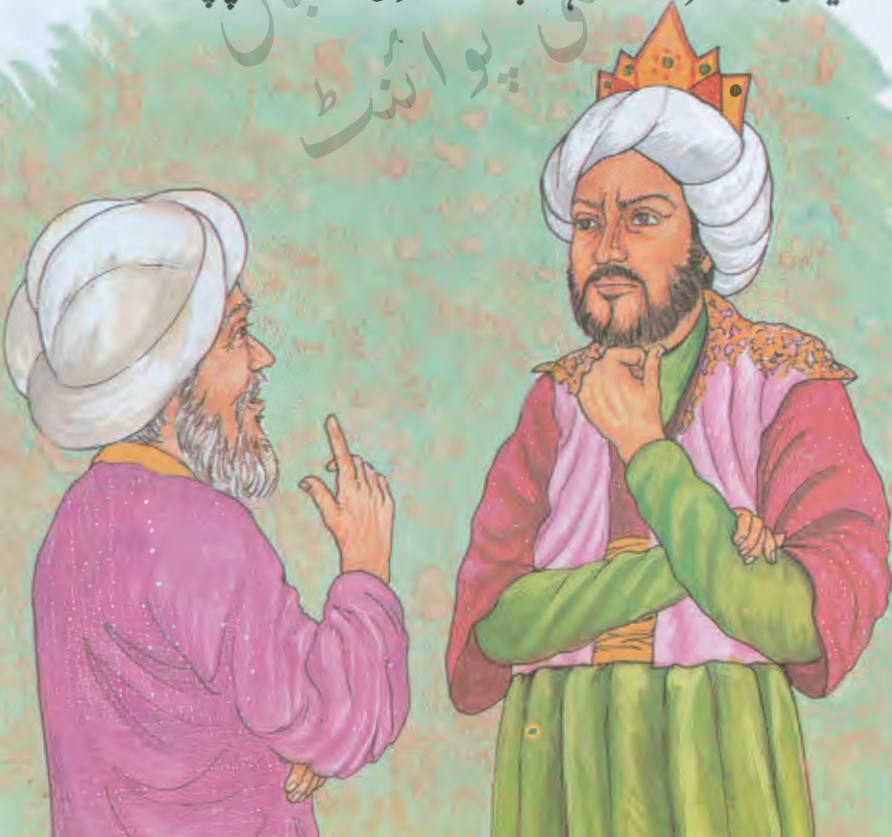
”تم درست کہتے ہو وزیر اعظم۔، بادشاہ نے افسردہ لہجے میں کہا۔“ لیکن اس جیسا اور کوئی نہیں ہے۔ وہ اتنا تیز بھاگتا ہے کہ جیسے طوفانی ہوائیں۔“

”حاتم کا گھوڑا تو آسمانی بجلی کی طرح لپکتا ہے۔“ ایک عربی قاصد نے قریب بیٹھے ایک وزیر سے کہا۔
 ”نہیں۔ ہمارے بادشاہ کے گھوڑے سے زیادہ تیز کوئی نہیں دوڑ سکتا۔“ وزیر نے مسکرا کر کہا۔

”مگر حاتم کا گھوڑا کالی گھٹاؤں کی طرح لمحہ بھر میں جنگلوں اور میدانوں سے گزر جاتا ہے۔“ قاصد نے اپنی بات پر زور دیا۔

شاہ روم نے ان کی باتیں سن لیں۔ اس نے عربی قاصد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”قاصد۔ تم کس گھوڑے کی بات کر رہے ہو؟“

قاصد نے کھڑے ہو کر ادب سے جواب دیا۔ ”حضور۔ میں حاتم کے گھوڑے کی بات بتا رہا تھا کہ اس کے اصطلیل میں ایک ایسا نادر و نایاب اور شاندار گھوڑا ہے جو طوفان کی طرح چلتا ہے اور وہ دوڑتا ہے تو اس کے سموں سے سنگریزے اس طرح اڑاڑ کر گرتے ہیں کہ جیسے اولوں کی بارش ہو رہی ہو۔“
 ”اوہ۔ کیا واقعی وہ اتنا تیز رفتار گھوڑا ہے؟“ بادشاہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔





”جہاں پناہ! مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ جو جس قابل ہو اس کی اتنی ہی تعریف کرنے میں آدمی کو بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حاتم کا گھوڑا سیلاب کے ریلے کی مانند جنگلوں اور پہاڑوں سے گزر جاتا ہے۔“ قاصد نے بتایا۔

”لہجھا۔ مگر یہ حاتم کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟“ بادشاہ کے دل میں حسد پیدا ہونے لگا۔

”حاتم طائی ہمارے ملک کے ایک قبیلے بنو طے کا سردار ہے لیکن بہت رحم دل اور بے حد سخی آدمی ہے۔ اس جیسا سخی پوری دنیا میں کہیں نہیں۔ سارے عالم میں اس کی سخاوت اور دریا دلی کے چرچے ہیں۔ جس طرح سخاوت میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے گھوڑے جیسا کوئی گھوڑا نہیں ہے۔ عالی جاہ! وہ گھوڑا میدان تو کیا جنگل میں بھی اس طرح ہموار دوڑتا ہے جیسے کشتی پانی پر تیرتی ہے۔ تیز رفتاری میں تو چیل کوئے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“

شاہ روم عربی قاصد سے حاتم طائی کی سخاوت اور اس کے گھوڑے کی تعریفیں سن کر اپنے وزیر سے کہنے لگا۔

”اگر حاتم طائی واقعی سخی ہے اور اس کے گھوڑے کی جو خوبیاں بتائی گئی ہیں وہ درست ہیں تو اس کی آزمائش ضروری ہے اس لئے حاتم سے اس کا گھوڑا مانگا جائے۔ اگر حاتم فوراً ہی اپنا وہ نایاب اور بے مثال گھوڑا دے دے تو ہم سمجھیں گے کہ

حاتم واقعی بے حد سخی اور بڑا آدمی ہے۔ اور اگر وہ گھوڑا دینے سے انکار کر دے تو سمجھ لینا چاہیے کہ سب باتیں غلط ہیں اور اس کی شہرت محض ڈھول کا پول ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور وہ سخی نہیں کھوس ہے۔“

حاتم طائی کی سخاوت اور دیادلی کی آزمائش کے لئے روم کے بادشاہ نے ایک نہایت ہوشیار اور تجربہ کار آدمی کو قاصد مقرر کیا اور اس کے ساتھ دس آدمیوں کو اس کے معاون بنا کر قبیلہ بنی طے کی طرف روانہ کیا۔ وہ لوگ رات دن سفر کرتے ہوئے جس وقت حاتم طائی کے قبیلے میں پہنچے تو اس وقت بارش ہو رہی تھی۔ سرد ہواؤں نے ان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دیئے تھے اور وہ ٹھٹھرے ہوئے حاتم طائی کے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

حاتم طائی مہمان نواز تھا۔ وہاں ان لوگوں کو فوراً ہی گرم گرم بستر دیئے گئے۔ اتنی آسائش اور آرام مہیا کیا گیا کہ جیسے پیاسے کو نہر پر پہنچ کر آرام ملتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کو جنت میں سکون و امن نصیب ہوتا ہے۔ حاتم طائی نے اُن کے آرام کا انتظام کرنے کے بعد ان کے طعام کا بندوبست کیا۔ اس وقت بارش اور کچڑ میں بھیڑ بکری لینے چراگاہ تک جانا ممکن نہ تھا اس لئے اُس نے فوری طور پر مہمانوں کے لئے ایک گھوڑا ذبح کر کے اس کے گوشت سے کئی قسم کے کھانے تیار کروائے اور مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھا دیا گیا۔ قیمہ، ٹھنڈا گوشت، تورمہ کے علاوہ میٹھے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ غرض بہت شاندار اور پر تکلف کھانوں سے مہمانوں کی خاطر تواضع کی گئی۔

رومی قاصد اور اس کے ساتھیوں نے ابھی تک حاتم کو اپنے بادشاہ کا پیغام نہیں دیا تھا۔ ان کا ارادہ تھا کہ فی الحال حاتم کے حُسن سلوک اور سخاوت کا جائزہ لیں گے اور اگلی صبح اُسے شاہ روم کا پیغام دیں گے۔ گویا وہ حاتم کی آزمائش کر رہے تھے اور حاتم ان کی سوچ سے بھی بڑھ کر رحم دل، مہمان نواز اور سخی ثابت ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے یہ دستور پہلے کہیں نہ دیکھا اور نہ سنا تھا کہ میزبان اپنے مہمان کی خاطر تواضع بھی کرے اور اسے خرچ کے لئے زادِ راہ کے طور پر نقد رقم بھی عطا کرے لیکن یہاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کھانے کے بعد حاتم نے ان سب کو خرچ کے لئے نقدی عنایت کی اور ان کی آمد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نے کہا۔

”میں آپ کا بے حد احسان مند ہوں کہ آپ لوگوں نے مجھے جیسے حقیر سے آدمی کی میزبانی قبول کی اور خدمت کا موقع دے کر مجھے عزت بخشی۔ میرے پاس آنے کے لئے آپ کو راستے میں جن تکلیفوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا اور مشکلات کا شکار ہونا پڑا اس کیلئے میں بہت شرمسار ہوں۔ اُمید ہے آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں گے۔“

حاتم کی بات سُن کر اُن لوگوں کو بہت حیرت ہوئی اور وہ دل ہی دل میں حاتم کے حُسن سلوک اور اس کی عظمت کی

تعریف کرنے لگے۔ صبح ہوئی تو حاتم نے ان کے لئے پُر تکلف ناشتے کا اہتمام کیا۔ پراٹھے، مکھن، پنیر اور انڈوں سے ان کی تواضع کی گئی۔

ناشتے کے بعد حاتم نے اُن سے کہا۔ ”اب آپ لوگ اپنی آمد کا مقصد بتائیے۔“

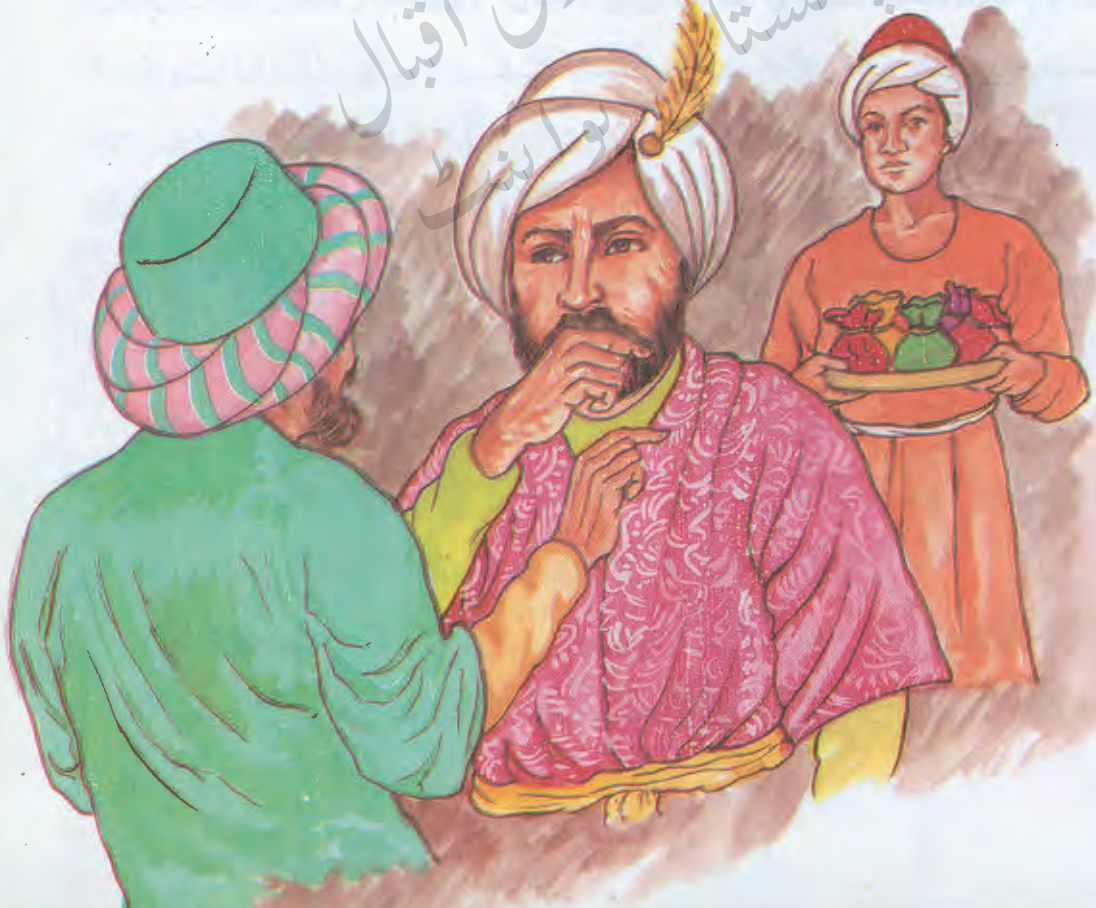
قاصد نے اسے شاہ روم کا پیغام دیا اور کہا۔ ”ہمارے بادشاہ کی خواہش ہے کہ تم اپنا وہ گھوڑا ہمیں دے دو جو تمہارے اصطل کا سب سے خوبصورت اور تیز ترین دوڑنے والا ہے۔“

قاصد کی بات سُن کر حاتم ایک دم اُداس اور پریشان ہو گیا۔ اس کے چہرے سے حسرت اور افسوس عیاں ہو رہا تھا اور وہ بہت شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر رومی قاصد اور اس کے ساتھیوں نے خیال کیا کہ شاید حاتم اپنا گھوڑا دینے پر راضی نہیں لیکن حاتم طائی کے الفاظ نے ان کا یہ خیال غلط ثابت کر دیا۔ حاتم نے کہا۔

”عقل مند دوستوں! تم نے دیر کر دی۔ تم نے آتے ہی مجھے یہ پیغام کیوں نہیں دیا تھا۔“

”دراصل ہم تمہیں فوری طور پر پیغام دے کر پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔“ قاصد نے بہانہ بنایا۔

”پریشانی کیسی؟ میں پھر بھی تمہاری اسی طرح خدمت کرتا۔“ حاتم بولا۔ ”مہمان کو میں اللہ کی رحمت سمجھتا ہوں اور



اس کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ اگر میرا قاتل بھی مہمان بن کر آجائے تو میں دل و جان سے اس کی خدمت کروں گا۔ اور مہمان نوازی میں کوئی فرق نہ پڑنے دوں گا۔“

”خیر..... جو ہوا سو ہوا۔ مگر اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ گھوڑا ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہو یا نہیں؟“ قاصد کے ایک ساتھی نے کہا۔

”گھوڑا کیا، تم لوگ میری جان بھی مانگو تو میں انکار نہیں کروں گا۔ مگر گھوڑا میں پہلے ہی تم لوگوں کی نذر کر چکا ہوں۔“

”اوہ۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو حاتم۔“ قاصد نے حیرت سے اسے گھورا۔ ”کہیں تم ہم سے مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟“

”نہیں دوستو۔“ حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”رات تم نے جس گوشت کے پکوان کھائے تھے وہ اسی گھوڑے کا

تھا۔“

”کیا.....؟“ وہ لوگ حیرت سے اچھل پڑے۔ ”کیا واقعی؟“

”ہاں.....!“ حاتم نے سر ہلایا۔ ”وہ گھوڑا میں نے تمہاری مہمان نوازی کے لئے رات کو ذبح کر دیا تھا کیونکہ موسم

کی خرابی کے سبب اس وقت چراگاہ تک جانا ممکن نہ تھا اور یہاں اس وقت اس گھوڑے کے علاوہ کوئی دوسرا جانور موجود نہ تھا۔

مجبوراً میں نے اسی کو ذبح کر کے آپ لوگوں کے لئے کباب وغیرہ بنوائے۔ مہمانوں کو بھوکا سلانا میری فطرت کے خلاف تھا

اور اس سے میری شہرت و ناموری میں فرق آتا تھا۔ میرا پسندیدہ اور برق رفتار گھوڑا میری ناموری اور مہمان نوازی پر قزبان

ہو گیا۔“

حاتم کی بات سن کر وہ لوگ کافی دیر سکتے کے عالم میں بیٹھے حاتم کی طرف اس طرح دیکھتے رہے جیسے وہ انسان کی

بجائے رحمت کا فرشتہ ہو۔ حاتم نے اپنا نایاب اور پسندیدہ گھوڑا ان کے کھانے کے لئے قزبان کر کے مہمان نوازی کی ایک

انوکھی مثال قائم کر دی تھی۔ وہ جو دوسخا کا پیکر اپنے قیمتی اور بے مثال گھوڑے سے محروم ہو جانے کے باوجود خوش نظر آ رہا تھا کہ

اس نے مہمانوں کو بھوکا سلانا پسند نہیں کیا تھا کہ شاہ روم کی خواہش پوری نہ کر سکا۔ سخی آدمی کسی سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا پسند نہیں

کرتا اور یہ بات ان کے ضمیر کی خلش بن جاتی ہے کہ سوالی اس کے در سے محروم چلا گیا۔

رومی قاصد اور اس کے ساتھی وہاں سے رخصت ہونے لگے تو سخی کی سخاوت نے جوش مارا اور حاتم نے ان لوگوں کو

خلعت اور نقد انعام دے کر رخصت کیا۔ وہ قاصد اور اس کے ساتھی واپس روم پہنچے۔ ان کے پاس حاتم کا گھوڑا نہ پا کر رومی

بادشاہ نے کہا۔

”مجھے پہلے ہی شک تھا کہ حاتم محض نام کا نخی ہے اور لوگ خواہ مخواہ اس کی سخاوت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ تم لوگوں کا خالی لوٹنا ثابت کرتا ہے کہ حاتم کی صرف باتیں ہی باتیں ہیں، حقیقت کچھ بھی نہیں۔ نہ وہ نخی ہے اور نہ اس کے پاس میرے گھوڑے سے زیادہ تیز گھوڑا ہے۔“

”گستاخی معاف عالی جاہ! وہ واقعی نخی ہے۔ اور ایسا نخی کہ دنیا میں کوئی اس جیسا نہیں ہو سکتا۔“ قاصد بولا۔
 ”ارے..... تو پھر خالی کیوں آئے ہونا مرادو۔ کہاں ہے وہ آسمان سے باتیں کرنے والا گھوڑا؟“ بادشاہ نے غصے سے کہا۔

”حضور۔ گھوڑا تو ہم کھا گئے۔“ قاصد نے بتایا۔
 ”کیا.....“ بادشاہ اُچھل پڑا۔ ”گھوڑا تم لوگ کھا گئے۔“
 ”نن..... نہیں حضور۔ گھوڑا ہمیں کھا گیا۔“ دوسرے آدمی نے بوکھلا کر کہا۔
 ”کیا بک رہے ہو بے وقوف۔ گدھے۔“ بادشاہ دھاڑا۔
 قاصد بھی سہم گیا۔ لرزتا ہوا بولا۔ ”یہ بے وقوف غلط کہہ رہا ہے حضور۔ ہم نے گدھا نہیں، حاتم کا وہ گھوڑا کھایا ہے



جس کی تیز رفتاری کا چرچا ہے۔ میرا مطلب ہے ہم نے خود نہیں کھایا بلکہ ہمیں حاتم نے گھوڑا کھلایا ہے۔“

بادشاہ نے ان کی بوکھلاہٹ محسوس کی تو نرمی سے بولا۔ ”دیکھو! مجھے پوری بات بتاؤ۔ حاتم نے تم لوگوں سے کیا سلوک کیا۔“

اس پر قاصد کا حوصلہ بڑھا اور اس نے حاتم سے ملاقات کا تمام قصہ بلام وکاست بیان کر دیا۔ حاتم کی مہمان نوازی اور سخاوت کا واقعہ سن کر رومی بادشاہ عیش عیش کراٹھا۔

سبق:- خوش خلقی اور سخاوت جیسی نعمتیں محض کوشش سے حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ تو انسان کو قدرت کی طرف سے فطری طور پر عطا ہوتی ہیں۔ سخی وہی ہے جو ہر حال میں سخاوت کرے اور اس کے دروازے سے کوئی سوالی خالی واپس نہ جائے۔



آخری داؤ

کسی ملک میں ایک نامی گرامی پہلوان رہتا تھا۔ وہ کشتی لڑنے کے فن میں عالمی شہرت رکھتا تھا۔ وہ کشتیوں کے تین سو ساٹھ داؤ جانتا تھا۔ جب بھی کسی کے مقابل آتا، نئے انداز سے کشتی لڑتا اور اپنے حریف کو لحوں میں چت کر دیتا تھا۔ نو عمر اور نوجوان لڑکے اُس سے کشتی لڑنے کا فن سیکھتے اور اس سے فنِ مہارت حاصل کرتے تھے۔

اس پہلوان کا ایک خاص شاگرد تھا۔ اُس نوجوان شاگرد کو اس نے سارے داؤ سکھا دیئے تھے مگر ایک داؤ نہیں سکھایا تھا۔ یہ خفیہ داؤ اُس نے اپنے پاس ہی رکھا تھا جیسے پتی نے شیر کو سارے کام سکھا دیئے تھے مگر درخت پر چڑھنا نہیں سکھایا تھا۔



وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ مشہور عالم پہلوان بوڑھا ہوتا چلا گیا اور اس کا خاص شاگرد کشتی لڑنے کے فن میں مشہور ہو گیا۔ وہ بڑا قوی ہیکل اور بے مثال پہلوان ثابت ہوا۔ اُس کی شہرت نے اس میں غرور و تکبر پیدا کر دیا تھا۔

ایک دن شاہی دربار میں اُس نے بادشاہ کے سامنے اپنی بڑائی بیان کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا اُستاد بے شک بزرگی میں مجھ سے بڑا ہے لیکن کشتی لڑنے کے فن میں نہیں۔ میں کشتی لڑنے میں اُس سے زیادہ ماہر ہوں۔“

”کیا واقعی؟“ پہلوانوں کے قدردان بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”حضور! اگر آپ کو یقین نہیں تو بے شک میرا اس سے مقابلہ کرا کے دیکھ لیں۔“ شاگرد نے بڑے فخر سے کہا۔

بادشاہ نے اس کی آزمائش کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کر دیا کہ مجھے کے روز دونوں اُستاد شاگرد کا مقابلہ کرایا جائے گا۔ چنانچہ مقررہ دن شاہی اکھاڑے میں لوگ صبح سے ہی جمع ہونے لگے۔ جب بادشاہ وہاں پہنچا تو اکھاڑہ تماشاہیوں سے بھرا ہوا تھا اور وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ چنانچہ جن لوگوں کو نیچے جگہ نہ ملی، وہ اکھاڑے کے آس پاس کے درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے۔



بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ بلند چوترے پر گرسی نشین تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مقابلہ شروع کیا جائے۔ تب

نقارے بجنے لگے۔ ڈھول نقاروں کی آواز پر جوان شاگرد مست ہاتھی کی طرح جھومتا اور اٹھکیلیاں کرتا ہوا اکھاڑے میں اتر اور اس طرح جم کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کے سامنے پہاڑ بھی آیا تو وہ پہاڑ کو اکھاڑ پھینکے گا۔

بوڑھا اُستاد اُس سے مقابلے کے لئے اکھاڑے میں آیا تو لوگ سوچنے لگے کہ یہ ناتواں اور بوڑھا اُستاد اپنے دیوہیکل اور جوان شاگرد کا کیسے مقابلہ کر سکے گا۔ طاقتور شاگرد تو اسے لمحے میں چت کر دے گا۔

پھر اُستاد اور شاگرد میں کشتی شروع ہوئی۔ اُستاد نے دیکھا کہ اس کا شاگرد طاقت میں اس سے بہت زیادہ ہے تو اس نے وہی داؤ استعمال کیا جو شاگرد کو نہ بتایا تھا اور اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ یہ داؤ شاگرد کو پریشان کر گیا کیونکہ وہ اس داؤ کا توڑ نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ وہ بے بس ہو گیا۔ اُستاد نے اپنے اس داؤ کے ذریعے شاگرد کے پاؤں زمین سے اس طرح اکھاڑے جیسے کسی پودے کو جڑ سے اکھاڑا جاتا ہے اور اٹھا کر زمین پر ایسا پٹخا کہ شاگرد اپنا دفاع نہ کر سکا اور اُستاد اسے چت کر کے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اُستاد کی فتح پر اکھاڑا تحسین و آفرین کے نعروں سے گونج اٹھا۔ بادشاہ نے اُستاد کو خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا۔ پھر شاگرد پہلوان کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ ”لعنت ہے تمہاری شہ زوری پر کہ اُستاد کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ تم نے شہرت پانے کا خواب دیکھا مگر اُستاد کی عزت کو نہ دیکھا۔ ارے تم تو کہتے تھے کہ اُستاد کو لمحوں میں چت کر دو گے اور تم اس سے زیادہ طاقتور ہو۔“

”عالی جاہ! میں نے جو کچھ آپ سے عرض کیا تھا وہ بھی درست تھا اور حضور جوار شاد فرما رہے ہیں وہ بھی سو فیصد سچ ہے۔“ شاگرد نے جواب دیا۔ ”لیکن میری شکست کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے ایک داؤ مجھے نہیں سکھایا تھا اور مجھ سے ٹھہر رکھا تھا ورنہ اُستاد طاقت میں مجھ سے زیادہ نہ تھا۔ بس وہی داؤ اُس کی فتح اور میری شکست کا باعث بنا۔“

اُستاد نے ہنس کر کہا۔ ”ہاں برخوردار۔ اسی دن کے لئے میں نے اپنا آخری داؤ تم سے پوشیدہ رکھا تھا اور

تمہیں نہ سکھایا تھا۔ داناؤں کا قول ہے کہ دوست کو اتنا طاقتور مت بناؤ کہ جب وہ تم سے دشمنی کرے تو تم کچھ نہ کر سکو۔ جو چھوٹا اور بے ادب اپنے بزرگ سے لڑتا ہے، قدرت اُسے ایسا گراتی ہے کہ پھر وہ کبھی نہیں اُٹھ سکتا۔ ایسے نادان شاگرد کو تیر اندازی مت سکھاؤ کہ وہ تمہیں ہی اپنے تیر کا نشانہ بنا ڈالے۔“

سبق:۔ آدمی جس سے علم و ہنر سیکھے اُس کا ہمیشہ احترام کرے۔ اُستاد کا ادب کرو۔ کیونکہ بے ادب شاگرد دُنیا میں ہمیشہ رُسوا ہوتا ہے۔ اور اُسے کبھی عزت و مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔



لومڑی نہیں شیر بن

ایک آدمی جنگل سے گزر رہا تھا۔ اُس کا نام راشد تھا اور وہ جنگل میں سیر کرنے آیا تھا۔ اچانک ایک جھاڑی میں حرکت ہوئی اور آواز سن کر راشد اچھل پڑا۔ اس نے جھاڑی سے ایک لومڑی کو باہر آتے دیکھا تو حیران رہ گیا کیونکہ وہ لومڑی ہاتھ پاؤں سے محروم تھی۔ راشد سوچنے لگا کہ اللہ بھی کیسا بے نیاز ہے کہ اس بچاری لومڑی کو ہاتھ پاؤں ہی نہیں دیئے۔ خدا جانے یہ کیسے گزر بسر کرتی ہوگی۔ شکار تو کر نہیں سکتی پھر اُسے خوراک کیسے ملتی ہوگی اور یہ غذا کیسے کھاتی ہوگی۔ راشد ایک درخت کے آڑ میں چھپ کر لومڑی کی طرف دیکھتا اور سوچتا رہا کہ معذور لومڑی کہاں سے خوراک حاصل کرتی ہے۔ اچانک بائیں جانب سے ایک شیر آتا دکھائی دیا اور راشد جلدی سے درخت پر چڑھ گیا۔ اُس شیر نے اپنے منہ میں ایک گیدڑ دبا رکھا تھا۔ قریب آ کر شیر اس درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور گیدڑ کو چیر پھاڑ کر کھانے لگا۔ چند منٹ



میں ہی شیر پورا گیدڑ ہڑپ کر گیا اور وہاں تھوڑا سا گوشت اور ہڈیاں رہ گئیں۔ کھانے کے بعد شیر اٹھا اور اطمینان سے رخصت ہو گیا۔

اُس کے جاتے ہی لومڑی آگے بڑھی اور شیر کا بچا کھچا کھانے لگی۔ راشد بہت حیران ہوا۔ معذور لومڑی نے شیر کے شکار کا بچا کھچا کھا کر پیٹ بھر لیا اور جھاڑی میں گھس گئی۔ تب راشد کی سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے لومڑی کو درندہ پیدا کیا ہے اور اُسے معذور بنایا ہے تو اُس کے رزق کا بھی معقول انتظام کیا ہے۔ اس طرح کہ لومڑی کو بھاگ دوڑ کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور اُس کے لئے خوراک وہیں پہنچ جاتی ہے۔

راشد سُست اور کام چور آدمی تھا۔ دوسرے دن وہ پھر جنگل میں جا پہنچا اور لومڑی کی جھاڑی کے سامنے والے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اس روز بھی لومڑی کو پہلے کی طرح خوراک مل گئی۔ راشد نے بھی خدا کی قدرت کا مشاہدہ اور روزی رسانی کا نظارہ کیا۔ اچانک اُس کے دل میں خیال آیا۔

”جو خدا اس معذور لومڑی کو رزق عطا کرتا ہے اور اس کی غذا اس کے پاس پہنچاتا ہے۔ وہ میرا خدا بھی تو ہے۔ پھر بھلا وہ مجھے کس طرح رزق سے محروم کر سکتا ہے۔ وہ رازق ہے اور ہر جاندار کو اُس کی غذا پہنچاتا ہے۔ کیوں نہ میں بھی اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاؤں۔ میری قسمت میں جتنا رزق لکھا ہے وہ تو مل ہی جائے گا۔ چوٹی حقیر مخلوق ہے لیکن رزق تو خدا کی طرف سے اسے بھی مل جاتا ہے۔ ہاتھی بھی تو اپنی قوت و جسامت کے بل پر خوراک نہیں کھاتے اور جتنا ان کے مقدّر میں ہوتا ہے۔ انہیں ملتا ہے۔ بلکہ ہر جاندار کو اُس کی قسمت کا رزق حاصل ہوتا ہے۔“

چنانچہ اگلے روز وہ کام پر جانے کی بجائے گھر کے باہر گردن جھکا کر مراقبہ کی حالت میں بیٹھ گیا اور اپنے مقدّر کے رزق کا انتظار کرنے لگا۔ لوگ آتے جاتے اسے دیکھتے اور حیران ہو کر گزر جاتے۔ راشد سر جھکائے بیٹھا رہا۔ اُس نے لوگوں کی پروانہ کی اور انتظار کرتا رہا کہ کب اس کی روزی آتی ہے۔ اُسے یقین تھا کہ جیسے جنگل میں معذور لومڑی کو قدرت کی طرف سے روزی پہنچائی گئی تھی اسی طرح اُس کے مقدّر کا رزق اس تک پہنچنے والا ہے۔ خدا ہی سب کا روزی رساں ہے اور دوسری مخلوق کی طرح اس کی روزی بھی بس آنے ہی والی ہے۔

لیکن روزی کی بجائے روزہ آ گیا۔ سارا دن اس طرح فاقے میں گزر گیا جیسے وہ روزے سے ہو۔ وہاں سے

گزرنے والوں نے یہ تو حیرت سے ضرور دیکھا کہ ایک اچھا بھلا صحت مند جوان راگزر پر بھکاریوں کی طرح سر جھکائے بیٹھا ہے۔ مگر کسی نے یہ معلوم کرنے کی زحمت نہ کی کہ اُسے کیا تکلیف ہے اور وہ کیوں وہاں بیٹھا وقت ضائع کر رہا ہے۔ آخر اُس پر کیا افتاد پڑی ہے؟ اگر وہ کسی دکھ میں مبتلا ہے تو اس کا اظہار کیوں نہیں کرتا، اگر بھکاری ہے تو بھیک کیوں نہیں مانگتا۔ سہ پہر ہو گئی اور قریب ہی کی مسجد سے ظہر کی اذان ہونے لگی۔ راشد نے دل میں خیال کیا کہ اب یقیناً اس کی روزی آنے والی ہے۔ مسجد کا دروازہ سامنے ہی تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے قریب جا بیٹھا۔ نمازی مسجد میں آنے جانے لگے لیکن اس کی روزی نہ آئی اور عصر کی نماز کا وقت آ گیا۔ اُسے پھر اُمید پیدا ہوئی کہ اب ضرور اس کے مقدّر کا رزق آنے والا ہے۔ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ ساری مخلوق کو روزی دیتا ہے تو اسے بھی محروم نہیں رکھے گا۔ آخر معذور لومڑی کو بھی تو رزق ملتا ہے۔



لوگ عصر کی نماز بھی پڑھ کر چلے گئے مگر کسی نے اُس کی بات نہ پوچھی کی آخر یہاں کس لیے بیٹھا ہے اور اُسے کس کا انتظار ہے۔ لوگوں کو بھلا کیا معلوم کہ ایک بے وقوف قدرت کی آزمائش کرنے پر کمر بستہ ہے۔ یہاں تک کہ شام ہونے لگی اور راشد بیٹھے بیٹھے بھوک سے نڈھال ہو گیا۔ اس کے خالی پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ تب اسے ایک غیبی آواز سنائی دی۔ کسی نے غیب سے اسے مخاطب کر کے کہا۔

”راشد! تو یہاں کیوں معذور لومڑی بنا بیٹھا ہے۔ تمہیں تو ہاتھ پاؤں عطا کئے گئے ہیں۔ اس لیے معذور لومڑی مت بنو، چیرنے پھاڑنے اور شکار کرنے والے شیر بن جاؤ۔“

سبق:- اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہر مخلوق سے افضل اور طاقتور بنایا ہے چنانچہ آدمی کو اپنی طاقت اور محنت سے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کمانا چاہیے۔ یہ بات آدمی کے لیے باعثِ شرم ہے کہ وہ دوسروں کی کمائی کھائے بلکہ اُسے اتنا کمانا چاہیے کہ اس سے اللہ کے بندوں کو بھی فائدہ پہنچے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اُس سے خوش ہو کر اُس پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں میں بہت اضافہ کر دیتا ہے۔ لیکن جو آدمی شیر جیسی طاقت و ہمت رکھنے کے باوجود لومڑی کی طرح معذور ہو کر بیٹھ جائے تو وہ گتے سے بھی بدتر ہے بلکہ ایسے شیر طاقتور آدمی سے تو کتنا بہتر ہے جو اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے خود شکار کرتا ہے۔

قریب المرگ مہمان

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک درویش نے ایک آدمی کو مہمان بنایا۔ وہ بے حد عبادت گزار انسان تھے۔ اس کے باوجود جب بھی کوئی شخص خواہ وہ کیسا ہی گناہگار ہو، آپ سے ملنے جاتا آپ اپنی درویشی و بزرگی کو ایک طرف رکھ کر اس کے ساتھ غلاموں کی طرح پیش آتے اور عبادت سے پہلے اس کی خدمت کا فرض ادا کرتے تھے۔

وہ مہمان بیمار اور قریب المرگ شخص تھا۔ اس کے سر کے تمام بال جھڑ چکے تھے اور چہرہ بیماری سے سوکھ کر بے رونق و بے رنگ ہو گیا تھا۔ لگتا تھا ابھی دم توڑ دے گا۔ بس معمولی سی جان سینے میں اٹکی ہوئی تھی۔ وہ رات کے وقت درویش کے



پاس آیا۔ درویش نے فوراً اس کے لئے بستر کا انتظام کیا اور اس کی خاطر تواضع کی، اُسے بہترین کھانا کھلایا اور ہر طرح سے اُس کا جی بہلانے کی کوشش کی۔

کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد وہ بوڑھا مہمان تکیہ لگا کر بستر پر لیٹ گیا۔ مگر وہ نہ تو خود رات بھر سویا اور نہ کسی دوسرے کو سونے دیا۔ وہ بہت چڑچڑا، سخت مزاج اور غصیلہ شخص تھا۔ مرنے کے قریب تھا مگر خود تو کیا مرتا، حجت بازی اور چیخ و پکار کر کے اس نے دوسرے مہمانوں کے ناک میں دم کر دیا۔

مہمان خانے میں موجود لوگ اس کے چیخنے چلانے اور نامناسب حرکتوں سے تنگ آ کر وہاں سے رفو چکر ہونے لگے۔ حتیٰ کہ آس پاس کے تمام لوگ بھاگ گئے اور اس بیچارے مہمان کے پاس صرف وہ درویش رہ گئے۔ وہ ساری رات اُس کی بکواس سنتے اور اس کی ولجوبی کی کوشش کرتے رہے۔

وہ درویش تنہا کئی راتوں تک بیمار مہمان کی خدمت کرتے رہے۔ ایک دن مسلسل جاگنے کے سبب درویش کو اوندھ آ گئی۔ بیمار مہمان نے انہیں سوتا دیکھا تو غضبناک ہو گیا اور اول فول بکنے لگا۔

"واہ۔ لوگوں میں پیر اور درویش بنے پھرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا ہر عمل مکرو فریب اور ریاکاری پر مبنی ہے۔ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر۔ اپنے بد اعتقادی کو انہوں نے صوفیانہ لباس پہنا رکھا ہے اور لوگوں کو پھانسنے کے لیے بُزرگانہ شکل بنا رکھی ہے۔ ارے جو پیٹ بھر کر کھائے اور مست ہو کر سو جائے اُسے کیا معلوم کہ بھوکے بیمار کی رات کیسے گزرتی ہے۔" یہ باتیں وہ محض اس لیے کہہ رہا تھا کہ اُس درویش کو نیند آگئی تھی۔ انہوں نے بیمار مہمان کی ان باتوں پر توجہ نہ

دی مگر ان کے اہل خانہ کو مہمان کی بکواس بہت بُری لگی۔ ایک عورت نے آہستہ سے اُس درویش کو بتایا۔

"آپ نے کچھ سنا بھی ہے کہ وہ بیمار آپ کو کیا کہتا رہا ہے۔ اُسے کہیں کہ یہاں سے فوراً دفع ہو جائے اور کسی دوسری جگہ جامرے۔ ارے ہمارا کھاتا ہے اور ہمیں ہی کوستا ہے۔ واہ گھر والوں کو میاؤں۔"

”کیا ہوا ہے۔ مہمان کی خدمت ثواب کا کام ہے۔“ درویش نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں مانتی ہوں کہ وہ بیمار مہمان ہے اور اُس پر مہربانی کرنا ثواب ہے۔ لیکن بُروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا بھی بُرائی ہے۔ احسان اس پر کیا جائے جو احسان کے قابل ہو۔ کینے کو تکیہ دینے کی بجائے اس کا سر پتھر سے ٹکا دو۔ ایسے آدمی پر مہربانی کرنا ریت پر گھی ضائع کرنے کے مترادف ہے۔“

”ذرا یہ بھی تو سوچو کہ اوّل تو وہ ایک ضعیف العمر شخص ہے اور اس پر بے چارے کی بیماری نے ہذیانی کیفیت سے دو چار کر دیا۔ ہر حال میں ہمیں اس سے لہجھا سلوک کرنا چاہیے۔“



”آپ دُرست فرماتے ہیں۔“ عورت نے سر ہلا کر کہا۔ ”لیکن بدوں کے ساتھ نیکی کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بے وقوف بنجر زمین میں بیج بوئے اور شورزدہ زمین پر باغ لگائے۔ بے شک اسلام حکم دیتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور تواضع کرنی چاہیے لیکن نا اہل کے ساتھ رعایت نقصان دہ اور وقت کا ضیاع ہے۔“

”اللہ کا حکم ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اخلاق سے پیش آؤ اور گھر آئے مہمان کی پورے خلوص کے ساتھ عزّت اور خدمت کرو۔“ مہمان کے مزاج کے مطابق اُس کی خدمت کرنا خوش اخلاقی سے پیش آنا بڑے اجر کا کام ہے۔“

عورت نے درویش کی بات سُن کر منہ بنایا اور کہنے لگی۔ ”میں نے کب کہا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن جو مہمان بد مزاج ہو اُس کے ساتھ خوش خلقی ایسی ہی ہے جیسے پیار سے کُتے کی پشت سہلانا مگر وہ تو اس سلوک کا بھی مستحق نہیں ہے۔“

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ درویش نے تحمل سے پوچھا۔

”میں آپ کو یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ جو مالک کا حق شناس ہے، وہ بھی اس مہمان سے بہتر ہے جو اپنے محسن کا ناشکر ہو۔ کسی کمینے آدمی کی برف سے تواضع کرنا فضول اور لا حاصل ہے۔ جس طرح برف پر تحریر ضائع ہو جاتی ہے اسی طرح کمینے آدمی پر کیا ہوا احسان بھی ضائع ہو جاتا ہے۔“

”لیکن یہ تو دیکھو کہ وہ بیمار اور قابلِ رحم آدمی ہے۔“ درویش نے فرمایا۔

”آہ۔ وہ رات بھر اول فول بکتا اور آپ کو ناپاک، مکار اور بناوٹی پیر کہتا رہا ہے پھر بھی آپ اسے قابلِ رحم خیال

کرتے ہیں۔ میں کہتی ہوں ایسے بے صبر، ناشکرے اور بد مزاج و مخبوط الحواس آدمی پر کسی قسم کا رحم کرنا واجب نہیں؟“

”سنو۔“ درویش نے اس عورت سے فرمایا۔ ”اس کی پریشان کرنے والی باتوں کا برانہ مانو۔ ایسی پراگندہ باتیں

وہ بیماری اور تکلیف کی وجہ سے کہہ رہا ہے۔ اس لیے مجھے اُس کی خفگی بھی اچھی لگتی ہے۔ کیونکہ وہ معذور ہے اور اللہ نے

ہمیں صحت و تندرستی سے نوازا ہے۔"

سبق۔ خدمت گزاروں کو ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے۔ کیوں کے جو لوگ بیماروں، ناداروں اور محتاجوں کا خیال رکھتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اجر ضرور ملتا ہے۔



غریب سخی

کسی شہر میں ایک شریف اور نیک دل آدمی رہتا تھا۔ وہ طبیعت کے لحاظ سے بڑا سخی آدمی تھا مگر بے چارہ غریب اور نادار تھا۔ دل میں سخاوت کا بڑا جذبہ تھا مگر سخاوت کے لئے اس کے پاس مال و زر نہ تھا۔ سخاوت پیسے کے بغیر نہیں ہوتی اور اس سخی کے پاس پیسہ نہ تھا۔

خدا تعالیٰ کسی بخیل کو مالدار نہ بنائے اور کسی سخی کو غریب نہ کرے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جس آدمی کے دل میں سخاوت کا جذبہ ہوتا ہے وہ دولت مند نہیں ہوتا یا جتنی وہ سخاوت کرنا چاہتا ہے اتنا اس کے پاس مال نہیں ہوتا۔ اگر مل بھی جائے تو اس کے پاس نہیں رکھتا۔ جس طرح پہاڑ یا بلند جگہ پر پانی نہیں ٹھہر سکتا، اسی طرح سخی آدمی کے پاس مال و دولت جمع نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہ سخاوت کے جذبے سے مجبور ہو کر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر بیٹھتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ نادار اور غریب رہتا ہے۔

اتفاق سے ایسے ہی حالات میں قید خانے سے ایک قیدی نے اس سخی کو خط لکھا۔



”جناب۔ بہت مجبور ہو کر آپ کی خدمت میں درخواست کر رہا ہوں۔ میں نے کسی آدمی سے قرض لیا تھا۔ بد قسمتی سے میں اس کا قرض ادا نہ کر سکا۔ اس نے قرض کی وصولی کے لیے سختی سے کام لیا اور میرے خلاف دعویٰ دائر کر کے مجھے قید خانے میں بند کروادیا۔

میں نے آپ کی سخاوت اور دریادلی کا بڑا چرچا سنا ہے۔ آپ میری بھی مدد کریں اور میرے قرض کی رقم ادا کر کے مجھے اس قید سے آزاد کرادیں۔ میں ہمیشہ آپ کا احسان مندر ہوں گا۔“

قیدی کا خط پڑھ کر سختی کو بہت دکھ ہوا۔ کیونکہ اس وقت اس کے پاس ایک پیسہ تک نہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں نادم ہوا کہ وہ ایک حاجت مند کی حاجت پوری کرنے سے معذور ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح مقروض قیدی کی مدد کرے اور اسے قید خانے سے نجات دلائے۔ وہ ہر صورت میں مقروض قیدی کی امداد کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس کے دماغ میں ایک ترکیب آہی گئی۔

دوسرے دن سختی مقروض قیدی کے قرض خواہ کے پاس گیا۔ اس نے قرض خواہ کو ضمانت دی کہ وہ مقروض قیدی کو قید سے آزاد کرادے تو وہ چند دن میں اس کا قرض ادا کر دے گا۔ چنانچہ مقروض کو آزاد کر دیا گیا۔ لیکن وہ ایسا گیا کہ دوبارہ لوٹ کر نہ آیا۔ قرض خواہ کو مقررہ مدت میں پیسے نہ ملے تو اس نے مقروض کی ضمانت دینے والے سختی کو قید خانے بھجوا دیا۔



غریب سخی نے اس پر کوئی احتجاج نہ کیا اور نہایت صبر و خاموشی سے قید میں وقت گزارتا رہا۔ جس قیدی کو اس نے آزاد کرایا تھا اس نے بھی سخی کی خبر نہ لی۔ کچھ عرصہ بعد ایک شخص سخی قیدی کے پاس آیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حیران ہوتے ہوئے سخی سے پوچھا۔

”قیدی۔ تم چور ڈاکو یا قاتل تو معلوم نہیں ہوتے ہو، پھر یہاں کیوں قید ہو؟“

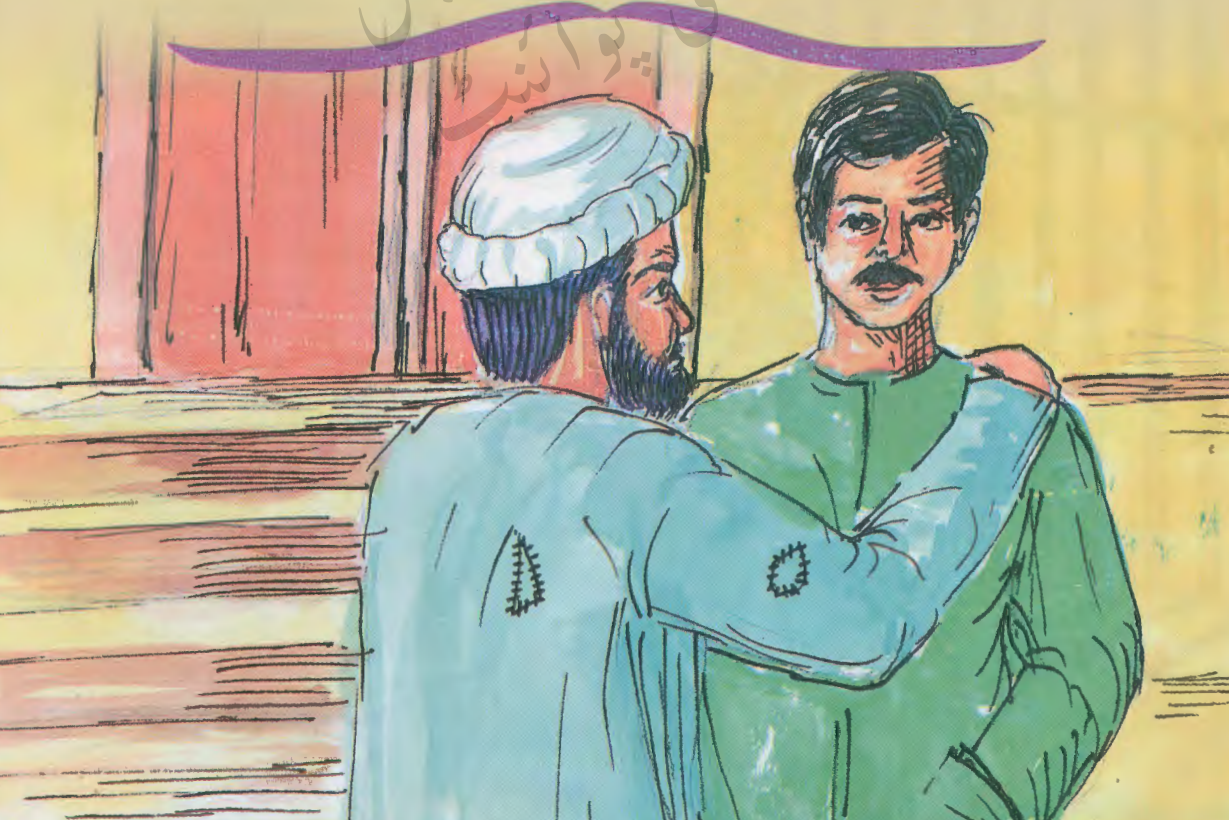
سخی نے مسکرا کر کہا۔ ”ایک مصیبت زدہ آدمی کو قید سے آزاد کرانے کے لئے میں نے یہ قید خود بخود قبول کی ہے۔“

”میں سمجھا نہیں۔ ذرا کھل کر بتاؤ۔“ اس شخص نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

سخی قیدی نے جواب میں ہنس کر کہا۔ ”میں اس سے زیادہ بتا کر اس آدمی کو بدنام نہیں کروں گا۔“

کافی عرصہ گزر گیا۔ حتیٰ کہ وہ غریب سخی قیدی قید خانے میں ہی مر گیا لیکن اپنے کردار اور صبر و استقامت سے جو دوسخا کی ایک ایسی عظیم مثال قائم کر گیا جو ہمیشہ باقی رہے گی۔

سبق:- دنیا میں دوسروں کی خاطر رنج و مصیبت اٹھانے والے مر کر بھی نہیں مرتے۔ ان کا نام قیامت تک زندہ رہتا ہے اور وہ دوسروں کے لیے نیکی، ہمدردی اور قربانی کی ہمیشہ مثال بنے رہتے ہیں۔



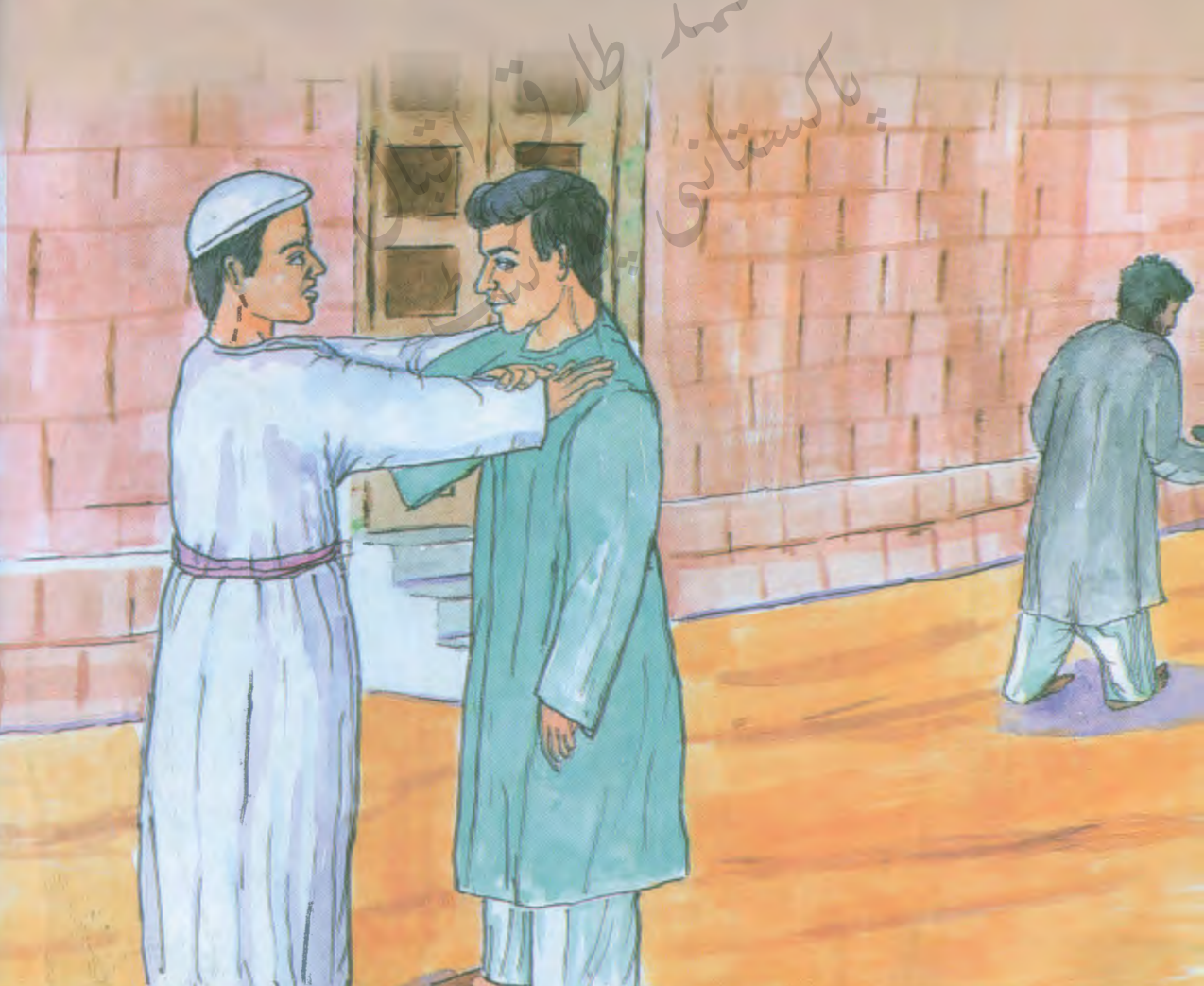
فقیر کی دُعا

ایک بھوکے فقیر نے ایک گھر کے دروازے پر صدا لگائی۔ ”اللہ کے نام پر بھوکے فقیر کو کھانا کھلا دو۔“
اُس گھر کا مالک بہت مغرور اور خبیث قسم کا آدمی تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر فقیر کی صدا سنی اور منہ بگاڑ لیا۔



اس نے فقیر کو خیرات نہ دی اور دروازہ بند کر لیا۔ بھوک سے نڈھال فقیر غمزدہ اور اُداس ہو کر وہیں ایک کونے میں بیٹھ گیا اور آپس بھرنے لگا۔ اتفاق سے ایک ناپینا شخص وہاں سے گزرا۔ وہ دونوں آنکھوں سے اندھا تھا مگر اُس نے فقیر کی آپس سُن لیں اور اس کے قریب آ گیا۔

”بھائی۔ تُو کون ہے اور تجھے کس نے ستایا ہے جو تُو آپس بھر رہا ہے۔“ ناپینا نے فقیر سے پوچھا۔
 فقیر بے چارہ بھوک اور غم سے نڈھال زمین پر پڑا تھا۔ اُس نے روتے ہوئے ناپینا کو بتایا۔ ”میں صبح سے بھوکا ہوں۔ میں نے اس گھر سے بھیک کے لیے صدالگائی لیکن گھر کے مغرور مالک نے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔“
 فقیر کی بات سُن کر ناپینا نے کہا۔ ”چلو دفع کرو اس قصے کو اور میرے گھر چلو۔ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھا



لینا۔“

وہ ناپید بڑے اخلاق و مروت اور تدبیر سے فقیر کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ فقیر خوش تھا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ فقیر نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اُس نے کچھ دیر آرام بھی کر لیا تو خوش ہو کر ناپید کو دُعائیں دینے لگا اور پھر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فقیر کی دُعا قبول کر لی۔ اُس رات ناپید کی آنکھوں سے تھوڑا پانی نکلتا رہا اور صبح ہوئی تو اُس کی آنکھوں میں روشنی آچکی تھی۔ اُس کی بینائی لوٹ آئی تھی اور وہ عام لوگوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔ ناپید کی آنکھیں اچھی ہونے کی خبر اُن کی آن میں سارے شہر میں پھیل گئی اور لوگ اُسے دیکھنے کے لیے آنے لگے۔

یہ بات اس مغرور آدمی نے بھی سنی جس کے دروازہ بند کرنے سے فقیر کو دکھ ہوا تھا۔ وہ مغرور شخص اس خبر کی تصدیق کے لیے خود ناپید آدمی کے گھر پہنچا اور اُس سے پوچھا۔ ”بھائی۔ تمہاری آنکھیں کیسے ٹھیک ہوئیں۔ کون سی ایسی اکیسری دوا استعمال کی ہے کہ ایک رات میں ہی تمہاری آنکھوں میں روشنی آگئی؟“

ناپید جواب دینا اور آنکھوں والا تھا، جواب میں کہنے لگا۔

”اولمٰعون! میں نے کوئی دوا استعمال نہیں کی۔ یہ تو میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔ ظالم آدمی غور سے سُن۔ کل شام جس فقیر کے صدا لگانے پر تم نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا، اُس کی دُعا سے میری آنکھیں ٹھیک ہوئی ہیں۔ اگر تُو بزرگوں کا احترام کرے اور ان کے پیروں کی مٹی کو مُعتر سبھے تو یقیناً تیرا دل بھی روشن ہو سکتا ہے۔ میری آنکھیں اندھی تھیں مگر تمہارا دل اندھا اور بے نور ہے۔ جن کے دل کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فقیروں محتاجوں اور مسکینوں کی دُعائیں جلد قبول فرماتا ہے۔ مگر تجھے پہچان نہیں کیونکہ تُو میری طرح آنکھوں کا اندھا نہیں بلکہ دل کا اندھا ہے۔“

اس کی لعن طعن سُن کر اس مغرور آدمی کو بہت افسوس ہوا اور وہ دل ہی دل میں پچھتانے لگا کہ کاش میں ہی اس

بھوکے فقیر کی خدمت کر کے فائدہ اٹھا لیتا۔ اُس نے افسوس و ندامت سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
 ”قسمت کی بات ہے بھائی۔ اللہ نے اس فقیر کو بھیجا تو میرے دروازے پر تھا مگر مقدّر تیرے اچھے تھے کہ تُو نے اس فقیر کی
 خدمت کر کے فائدہ اٹھا لیا اور میں محروم و نامراد رہ گیا۔“

سبق: آدمی کو کسی کا دل نہیں دُکھانا چاہیے۔ فقیروں محتاجوں اور ناداروں کی خدمت کر کے ان کی دُعائیں لینی چاہئیں اور
 دروازے پر آئے سوالی کو کبھی بھی خالی نہیں لوٹانا چاہیے۔



زہریلا شہد

نادر بہت خوبصورت، ہنس مکھ اور شائستہ مزاج آدمی تھا مگر وہ غریب تھا۔ وہ شہر میں پھیری لگا کر شہد فروخت کیا کرتا تھا۔ اس سے اُسے معقول اور جائز منافع حاصل ہوتا جس سے وہ اپنی گزر بسر کرتا۔ لوگ اُس سے دھڑا دھڑا شہد خریدتے تھے۔ وہ جہاں بھی جا کر یہ آواز لگاتا۔
”شہد لے لو۔ شام کا مشہور شہد۔ خالص شہد لے لو۔“
اُس کی آواز سنتے ہی لوگ گھروں، دکانوں سے نکل آتے اور شہد خریدنے اس کے قریب چلے جاتے۔



لیکن ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جو خاموش کھڑے نادر کی طرف دیکھتے رہتے اور جب وہ آگے بڑھ جاتا تو وہ ٹھنڈے سانس لیتے ہوئے واپس چل دیتے۔ نادر جو شہد لاتا، وہ چند گھنٹوں میں ہی بیچ کر فارغ ہو جاتا تھا۔ اتنی جلدی چیز فروخت ہو جانے کی وجہ اصل میں نادر کا حُسن اور حُسنِ کلام تھا۔ وہ بے حد خوبصورت، شیریں گفتار اور نیک سیرت تھا۔ لوگ دراصل اُس کا حُسن دیکھنے آتے تھے اور بہانہ شہد خریدنے کا ہوتا تھا۔ اُس کی خوبصورت آواز لوگوں کو بہت پسند تھی۔ اس وجہ سے لوگ اس کی محبت میں مبتلا تھے۔

نادر بظاہر تو شہد فروخت کرتا تھا لیکن اکثر لوگ اُس سے شہد خریدنے کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی دیکھنے کے آرزو مند رہتے تھے۔ حقیقت میں اُس جیسا خوبصورت آدمی پورے شہر میں کوئی نہ تھا۔ شہر کے دوسرے خوبصورت اور حسین لوگ بھی نادر کی خوبصورتی سے متاثر تھے اور نادر کے سامنے غلاموں کی طرح رہتے تھے۔ بالکل اس طرح جیسے گنے پر گرہ ہوتی ہے۔ مکھیوں سے بھی زیادہ تعداد میں اُس کے گاہک تھے۔ اگرچہ نادر شہد فروخت کرتا تھا مگر وہ زہر بھی بیچتا تو لوگ زہر کو شہد سمجھ کر کھا جاتے۔ اُس کی آواز میں بھی بہت مٹھاس تھی اور اس کی باتیں بھی خوبصورت اور میٹھی ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا شہد ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔

اختر بھی اس کا ہم عمر جوان تھا مگر نادر کے مقابلے میں وہ بے حد بد صورت اور غصے والا تھا۔ اُس کے بد صورت چہرہ پر ہر وقت پھنکار برستی رہتی تھی اور آنکھیں غصے سے سرخ رہتی تھیں۔ آواز بھدی اور پھٹے ہوئے ڈھول کی مانند تھی جسے سن کر بچے بھی ڈر جاتے تھے۔ لوگ اُس کی بد صورتی اور بد مزاجی کے سبب اس سے نفرت کرتے تھے۔ اختر نے دیکھا کہ نادر کا شہد خوب بکتا ہے اور لوگ بڑے شوق سے خریدتے ہیں جبکہ شہد کے خالص ہونے کا نادر کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔ وہ نادر کے کاروبار کی کامیابی اور نادر کی خوبصورت شکل سے حسد کرنے لگا۔ وہ خود بھی پھیری لگاتا اور اچار مڑ بے بیچا کرتا تھا۔ لیکن نادر اس سے زیادہ کماتا تھا۔ اختر صبح سے شام تک پھیری لگا کر جتنا منافع کماتا تھا نادر اتنا صرف دو گھنٹے میں کمالیا کرتا تھا۔

الغرض اختر کو حسد کی آگ جلانے لگی تو اس نے دل میں نادر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اگلے دن وہ بھی اچارمڑ بے چھوڑ کر شہد بیچنے لگ گیا۔ شہد کا منکا سر پر رکھ کر وہ گلیوں محلوں میں آوازیں لگاتا پھر رہا تھا۔
 ”شہد لے لو۔ شام کا مشہور شہد۔ خالص اور کھر شہد لے لو۔“

اختر کو شہد بیچنا دیکھ کر کئی راغبیہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے کہ اچارمڑ بے بیچتے بیچتے شہد بیچنے لگا ہے۔ بعض نے نفرت سے اُسے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ اس کی وجہ بھی معقول تھی۔ اگرچہ اُس کے سر شہد کا منکا رکھا ہوا تھا مگر اس کی بھنویں ایسے تنی ہوئی تھیں جیسے بہت ہی غصے میں ہو۔ اُس کی آواز بھی بہت کرخت تھی۔ وہ آواز لگاتا تو یوں محسوس ہوتا جیسے شہد خریدنے کا حکم دے رہا ہو۔

صبح سے شام ہو گئی۔ اختر سارا دن آوازیں لگاتا اور گلی کوچوں میں پھرتا رہا مگر کسی نے شہد نہ خریدا۔ خریدنا کیا، کسی نے دام تک پوچھنا گوارا نہ کیا جبکہ نادر دو پہر تک اپنا سارا شہد بیچ کر گھر جا چکا تھا۔ آخر رات کو گھر واپس پہنچا تو شہد فروخت



نہ ہونے کی وجہ سے بہت اُداس و پریشان تھا۔ وہ ہارے ہوئے سپاہی کی طرح ایک گوشے میں بیٹھ کر سوچنے لگا۔ اس کا منہ بگڑا ہوا تھا اور اسے اپنی ناکامی پر غصہ آرہا تھا کہ آخر لوگوں نے اس سے شہد کیوں نہیں خریدا؟

مگر وہاں اُسے یہ بات سمجھانے والا کوئی نہ تھا کہ بد مزاج آدمی کا شہد بھی کڑوا ہوتا ہے۔ اختر کا شہد بھی صرف اس لئے فروخت نہیں ہوا تھا۔ غصے اور حسد و بخل کی وجہ سے جس شخص کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں اس کا شہد کھانا حرام سمجھو۔ حقیقت یہ ہے کہ خوش مزاج اور ہنس مکھ آدمی کا ہر بھی شہد سے زیادہ بیٹھا لگتا ہے۔ لیکن بد مزاج اور بد صورت شخص کا شہد بھی زہریلا محسوس ہوتا ہے۔ گویا چیز کی تاثیر اس کے بیچنے والے کے مزاج اور رویہ کے مطابق ہوتی ہے۔ آپ غصے اور بد مزاجی سے کسی کو کھانے کے لئے گڑ دیں گے تو وہ نہیں کھائے گا۔ لیکن خوش دلی سے ہنس کر اسے زہر بھی دیں گے تو وہ کھالے گا۔

سبق:- بد مزاج اور بد خواہ شخص کے کام عام طور پر اُلجھے رہتے ہیں اور وہ خود بھی پریشان رہتا ہے۔ آدمی کو خوش مزاج ہونا چاہیے۔ اگر روپیہ پیسہ نہ بھی ہو تو پروا نہیں کیونکہ خوش کلامی پر کچھ خرچ نہیں آتا۔ اس لئے آدمی کو خوش اخلاقی اور خوش بیانی اختیار کرنی چاہیے۔

غافل بادشاہ

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
غافل	لا پرواہ۔ بے خبر	معانی	مشکل الفاظ
محافظ	حفاظت کرنے والا۔ چوکیدار	نصیحت	سبق آموز بات
چرواہا	مویشی چرانے والا۔ گلہ بان	وضاحت	مطلب۔ تشریح کرنا
ڈکار کھیلنا	ڈکار کرنا	حقیقت	سچائی۔ اصلیت
اجنبی	نیا آدمی۔ ناواقف۔ بے خبر	حیثیت	درجہ۔ مرتبہ
نیف	ارادہ۔ مقصد	مطلوبہ	جس کی طلب ہو
خاردار	کانٹے والا	ندامت	شرمندگی
تیر چلاتا	تیر چھوڑنا	ہوشیاری	چالاکی۔ تیزی
احتیاط	ہوشیاری۔ دیکھ بھال	عقل مند	سمجھ بوجھ والا۔ دانہ
نشانہ باندھنا	نشانہ لینا۔ نشانہ بنانا	دیکھ بھال کرنا	نگہ رانی کرنا۔ دیکھنا بھالنا
خوف زدہ	ڈرا ہوا۔ سہا ہوا	عالی جاہ	بڑے مرتبے والا
		سائنس	گھوڑوں کو دیکھ بھال کرنے والا۔ اصطبل کا نگہران

ظالم جاگیردار

ظالم	ظلم کرنے والا	زیارت کرنا	دیکھنا۔ ملاقات کرنا
پرہیزگار	نیک طبیعت۔ پاکیزہ۔ پارسا	منہ پھیرنا	نا پسند کرنا۔ دوسری طرف دیکھنا
عابد	عبادت کرنے والا	خاطر میں نہ لانا	پروانہ کرنا۔ بے رخی دکھانا
مالا مال	دولت مند۔ مال و دولت کا مالک	کلام نہ کرنا	بات چیت نہ کرنا
کنارہ کش ہونا	اگک تھلک ہو جانا	در کنار	ایک طرف۔ الگ۔ جدا
قناعت کی دولت	جو ملے اُس پر راضی ہونا	آزار	تکلیف۔ دکھ
اذیت ناک	تکلیف دینے والا	اقتیازی سلوک	اچھا برتاؤ
خدا شناس	خدا کو پہچاننے والا	مستحق	حقدار
روکھی سوکھی کھانا	کھانے کو جو ملے شکر کرنا	ندامت ہونا	شرمندہ ہونا
حکم عدولی کرنا	حکم ماننے سے انکار کرنا	ظلم و ستم کا پہاڑ	بہت زیادہ ظلم کرنا
لغت بھیبنا	مُرا کہنا۔ پھینکا کرنا۔ دھکا کرنا	نقل مکانی	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
معتقد	یقین رکھنا۔ ماننے والا۔ مُربید	کھری کھری باتیں	چیچی باتیں
مہربانی و شفقت	پیار محبت۔ نرم دلی	ندامت سے زمین میں گڑنا	بے حد شرمندہ ہونا

دوبھائی

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
درویش	اللہ والے لوگ	عمل	کام۔ فعل
ملاح	کشتی چلانے والا	پھل پانا	صلہ پانا۔ جزا پانا
منہ میں پانی بھرا آنا	لاچ میں آنا	وسط	بیچ۔ درمیان
جدوجہد	کوشش۔ محنت	ہم سفر	اکٹھے سفر کرنے والے
نیت	ارادہ۔ مقصد	محسن	احسان کرنے والا
گرداب	بھنور	واقعہ	قصہ
غوطے کھانا	ڈبکیاں لگانا	ترس کھانا	رحم کرنا
سکا	حقیقی۔ اصل	نیکی	اچھائی
کوڑا	چابک۔ ہنر	کودنا	چھلانگ لگانا
خواہ مخواہ	فضول۔ بے کار	مال دار	دولت مند
مخالفت	عداوت۔ دشمنی	احسان	کسی کے کام آنا۔ ساتھ دینا

جام طائی کا نقل

دریادلی	سختوت۔ فیاضی۔ بخشش	معذرت	عذر۔ حلیہ۔ بہانہ۔ معافی
رعایا پرور	اپنے عوام کی دیکھ بھال کرنے والا	شایان شان	شان کے مطابق۔ قابلیت کے مطابق
بخشش	دل کھول کر نوازا۔ فیاضی	حق میزبانی	مہمان نواز کا حق
حریف	مخالف۔ مقابل۔ دشمن	پر تکلف	اہتمام کیا ہوا۔ تکلف سے بھرا ہوا
حسد	بغض۔ عداوت۔ دشمنی	دل میں گھر کرنا	دل میں جگہ بنانا۔ دل پر اثر کرنا
دکھاوا	نمائش۔ شو بازی۔ بڑائی	غریب خانہ	انکساری سے اپنے گھر کا نام لینا، اپنا گھر
ازراہ مذاق	مذاق کے طور پر۔ ہنسی مذاق میں	راز کھلنا	راز ظاہر ہونا۔ معلوم ہونا
چونا	خار کھانا۔ خفا ہونا	گردیدہ ہونا	دلدادہ ہونا۔ دل سے پسند کرنا
محدود	احاطہ کیا ہوا۔ کم تعداد	حرج	مضائق۔ کمی
دیوار بننا	رکاوت پیدا کرنا۔ مزاحمت کرنا	انکشاف	ظاہر ہونا۔ کھولنا۔ کھلنا
با اعتماد	قابل یقین۔ اعتبار والا	شپٹنا	بدحواس ہونا۔ گھبرانا
مخلص	پر غلوس۔ بے غرض۔ خالص	دل پر گھونہ پڑنا	صدمہ ہونا۔ رنج پہنچنا۔ دکھی ہونا
غلوس و مروت	دوستی و محبت۔ اخلاص و انس	غضب خدا کا	اللہ کی تہر

ظالم بادشاہ

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
خلیہ بگاڑنا	بد حال کرنا۔ شکل کا بدلنا	حق بجانب	حق دار۔ حق حاصل ہونا
بے رحمی	سنگ دلی۔ بے حسی۔ ظلم	ہر کارے	کام کرنے والے۔ نوکر۔ خدمت گار
گنوار	جامل۔ جٹ۔ بے وقوف	مصاحب	صاحب کی جمع
مصنوعی	نقلی۔ جعلی۔ خود ساختہ	بدحواس ہونا	بوکھلا جانا۔ گھبرا جانا
دانت پینا	غصہ سے بے قابو ہونا۔ بہت غصہ کرنا	ذہن پر ہتھوڑے برساتا	سخت صدمہ پہنچانا
غضب ناک ہونا	بہت غصہ ہونا۔ بھڑک جانا	موت کی آغوش	موت کی گود۔ ہلاکت
بے زبّان	گوںگا۔ مظلوم۔ معذور	جلال	رُعب۔ شان و شوکت
سراسر	ساری کی ساری۔ مکمل۔ بالکل	کھری کھری سنانا	صاف صاف کہنا
گھوڑنا	غصے سے دیکھنا۔ آنکھیں نکالنا	برس پڑنا	غصہ کرنا۔ بگڑ جانا
ٹانگ اڑانا	دھل دینا۔ بیچ میں کود پڑنا	کمر بستہ ہونا	تیار ہو جانا۔ ہمت کرنا
مصلحت	حکمت۔ سوچ سمجھ کر	سکون قلب	دل کا سکون۔ راحت و آرام
بد زبّان	بد تمیز۔ بے ادب۔ گستاخ	سعادت	نیک بختی۔ عزت و احترام
اُکتایا ہوا	تنگ آیا ہوا۔ بے زار	بے خطا بے جرم	بے گناہ۔ بے قصور
فصل	کام۔ عمل۔ حرکت	بے باکی	بے جھجک۔ جرأت و بہادری
قابل ہونا	مان لینا۔ تسلیم کرنا	موہوم	معمولی۔ ہلکی
ضبط سے کام لینا	مہر و برداشت کرنا	جبر و زیادتی	ظلم و ستم۔ زور و بردستی
دانش مند	عقل مند۔ سمجھ بوجھ والا	زبان کو لگام دینا	زبان بند رکھنا۔ خاموش رہنا
اندیشہ	خطرہ۔ فکر۔ تشویش	ندامت	شرمندگی۔ شرمساری
تنقید	نکتہ چینی۔ تبصرہ	کوتاہی	غفلت۔ لاپرواہی

اللہ کا گھر

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
اللہ کا گھر	مسجد سے مراد	محروم	ناکام۔ ناآئید۔ مایوس
خستہ حال	نری حالت۔ تباہ حال	داتا	دینے والا۔ مالک
ضائع کرنا	برباد کرنا۔ گنونا	محراب	گول دروازہ۔ وہ جگہ جہاں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھائے
فقیر	مانگنے والا۔	سوالی	سوال کرنے والا۔ مانگنے والا
جرم	گناہ۔ قصور	جھولی پھیلاتا	مانگنا۔ طلب کرنا
بکواس	بے کار باتیں	فریاد	التماس۔ درخواست
کائنات	دنیا	موت کا بلاوہ	مرنے کا وقت
کج حال	مفلس۔ محتاج۔ غریب	نزع کا عالم	مرنے کا وقت کی تکلیف
حقیقت	اصلیت۔ سچ	چراغِ صحر	صبح کا اُجالا
غمزہ	غمگین۔ دکھی	بد نصیبی	بد قسمتی۔ بُرا مقدر

ادیب کی مکاری

ادیب	کہانیاں لکھنے والا	معمولی	ہلکا۔ کمتر۔ عام سا
مکاری	چالاکی۔ ہوشیاری	کان پر جوں تک نہ رینگنا	ذرا بھی اثر نہ ہونا
معمول	رداج۔ روزمرہ کی باتیں	واسطہ ہونا	تعلق ہونا۔ لگاؤ ہونا
حاجت مند	ضرورت مند	دھونس دھمکی	دھمکانا۔ رعب دکھانا
نازک طبع	نرم طبیعت والا	گریز کرنا	پرہیز کرنا۔ باز رہنا
حساس	نازک مزاج، زیادہ اثر لینے والا	اطلاع دینا	خبر دینا
دلبرداشتہ ہونا	بدول ہونا۔ مایوس ہونا	شریف ملاقات	مل کر عزت دینا
افسانہ بنانا	کہانی بنانا۔ بات بڑھانا	تقاضا کرنا	مطالبہ کرنا۔ مانگنا
مصنف	لکھاری۔ لکھنے والا	سخت مزاج	گرم طبیعت کا مالک
عزت افزائی	عزت دینا۔ احترام کرنا	معذور	مستحق۔ لاچار
تغائب کرنا	پچھا کرنا۔ کھوج لگانا	رام کرنا	راضی کرنا۔ راستہ پر لانا پھانسا
روئید	سلوک۔ برتاؤ	مات دینا	گھست دینا

گھوڑا کھاؤ

معانی	مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ
موشیوں کے چرنے کا میدان، بزرہ زار	چراگاہ	پیغام پہنچانے والا۔ اچھی	قاصد
خدمت کرنا۔ مہمان داری کرنا	تواضع کرنا	نمائندہ۔ قاصد	سفیر
اچھا رویہ۔ اچھا اخلاق	حسن سلوک	نذرانہ۔ تحفہ کی جمع	تحائف
طریقہ۔ رواج۔ انداز	دستور	خاص کی ہوئی	مخصوص
شرمندہ ہونا	شرمسار ہونا	اُداس۔ غمگین	ملول
بزرگی۔ بڑائی۔ بلند مرتبہ	عظمت	سیاہ بادل	کالی گھٹا
آرزو۔ افسوس	حسرت	متعلق۔ بارے میں	بابت
ظاہر ہونا۔ نمودار ہونا	عیاں ہونا	بہت قیمتی۔ کم یاب	نادر و نایاب
تحفہ دینا۔ پیش کرنا	نذر کرنا	کھروں سے	سموں سے
بے حس و حرکت ہو جانا	سکتے کا عالم	پتھر کے ذرات	سنگ ریزے
دل۔ باطن	ضمیر	دھار۔ دھکا	ریلا
چٹھن۔ کھٹک	خلش	فیاضی۔ سخاوت	دریادلی
مشہور کرنا۔ اعلان کرنا	ڈھنڈورا پیٹنا	مشہوری ہونا	چرچا ہونا
نا کام۔ مایوس	ناامراد	ہم پلہ۔ بدل۔ مانند	ثانی
گھبراہٹ۔ بدحواسی	بوکھلاہٹ	برابر۔ یکساں	ہموار
کی کئے بغیر۔ پورے کا پورا	بلا کم و کاست	اصل میں کچھ نہ ہونا۔ دکھاوا	ڈھول کا پول
تعریف کرنا۔ واہ واہ کرنا	عش عش کرنا	دست راست۔ ساقی	معاون
بخشش۔ نوازش	عنایت	سردی سے بچ ہونا، بہت ٹھنڈا ہونا	ٹھٹھرتا
کھانا پینا	طعام	سہولت۔ آرام	آسائش

آخری داؤ

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
نامی گرامی پہلوان	بہت مشہور پہلوان	مشکل الفاظ	معانی
فن	ہنر - مہارت	تا تو اس	کمزور
عالی شہرت	دنیا بھر میں مشہور	دیو پیکل	دیو کی طرح طاقتور
مقابل آنا	مقابلے پر آنا	داؤ کا توڑ	ترکیب کا بدل
حریف	دشمن - مقابل	بے بس	مجبور - لاچار
چست کر دینا	تکست دے دینا	دفاع	حفاظت - بچاؤ
فن مہارت	ہنر میں اُستاد ہونا	حمسین و آفرین	تعریف و توصیف
ٹھہرے داؤ	وہ ترکیب جو چھپائی گئی ہو	ملا مت کرنا	شرمندہ کرنا
مشہور عالم	ساری دنیا میں مشہور	شہزوری	طاقت وری
قوی پیکل	فولادی طاقت	عالی جاہ	شان و شوکت والا
غرور و تکبر	بڑائی اور گھمنڈ	پوشیدہ	چھپا ہوا
قدردان	قدر کرنے والا	نادان	بے وقوف - نا سمجھ
فخر کرنا	ناز کرنا	آبادہ ہونا	راضی ہونا
		ارشاد فرمانا	بات کرنا - بولنا

لومڑی نہیں شیر بن

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
گزر بسر کرنا	گزاراوقات کرنا - گزارا کرنا	راستہ - سڑک	معانی
معزور	لاچار - مستحق - بے بس	تکلیف اٹھانا	زحمت کرنا
بے نیاز	بے پرواہ - بے خبر - غافل	برباد کرنا - رانیگاہ	ضائع کرنا
ہڑپ کرنا	کھا جانا - ضبط کر لینا	مصیبت پڑنا - مشکل میں پڑنا	اُفتاد پڑنا
اطمینان	مطمئن	ظاہر کرنا	اظہار کرنا
معقول انتظام	مناسب بندوبست	یعنی کچھ وقت تو لگ سکتا ہے لیکن نا	دیر ہے اندھیر نہیں
رزق	روزی - خوراک - کھانا	امیدی نہیں ہے -	محروم رکھنا
درندہ	گوشت کھانے والا	ماپوس رکھنا - بد نصیب رکھنا	پہیٹ میں چو ہے دوڑنا
روزی رسانی	روزی پہنچانا	زور سے بھوک لگانا	آزمائش
رازق	روزی پہنچانے والا	امتحان	کمر بستہ
		پوری تیاری کرنا	

قریب المرگ مہمان

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
قریب المرگ	مرنے کے قریب۔ جس کی موت قریب ہو	مکر و فریب	دھوکہ بازی۔ مکاری اور چالاک
درویش کامل	پہنچا ہوا بزرگ۔ خدا سے عشق کرنے والا	اعتقادی	یقین رکھنے والا۔ ماننے والا
بے رنگ	پھیکا۔ سفید	صوفیانہ	صوفیوں کی طرح سادہ۔
انتظام	بندوبست	اول قول بکنا	بے ہودہ باتیں کرنا۔ بکواس کرنا
جان سینے میں اٹکنا	موت کے منہ میں ہونا۔ مرنے کے قریب ہونا	اہل خانہ	گھر کے دوسرے افراد۔ بیوی۔ بچے
خاطر تواضع کرنا	اچھی طرح دیکھ بھال کرنا، بہت عزت دینا	کوسنا	نرا بھلا کہنا۔ بددعا دینا
جی بہلانا	دل خوش کرنا، دل بہلانا	گھر کی بلی گھر والوں کو سیاؤں	گھر کا کھانا اور گھر والوں پر ہی غرانا
چڑچڑاہونا	بات بات پر چڑنا۔ غصہ کرنا	مترادف	ایک جیسا۔ ایک ہی معنی والے الفاظ
سخت مزاج	گرم طبیعت والا۔	نخبر زمین	نا قابل کاشت زمین
حجت بازی	تکرار۔ بحث۔ بحثگرا	شور زدہ	ناکارہ۔ کاشت کے قابل نہیں
ناک میں دم کرنا	تنگ کرنا۔ عاجز کرنا۔ ستانا	دفع ہو جانا	چلے جانا
رف چکر ہونا	غائب ہونا۔ بھاگ جانا	اجر	بدلہ۔ جزا

غریب بینی

نیک دل	رحم دل	مقروض	قرض لیے والا۔ قرض دار
طبیعت	مزاج۔ فطرت۔ خصلت	قرض خواہ	قرض مانگنے والا
سختاوت	خیرات۔ فیاضی۔ بخشش	ضمانت دینا	ذمہ داری لینا۔ ضامن بننا
جذبہ	لگن	مقررہ مدت	وقت کا تعین
بخیل	کنہوں۔ تنگ دل	احتجاج کرنا	اعتراض کرنا۔ حجت کرنا
مال دار	روپیہ پیسہ والا۔ دولت مند	مصیبت زدہ	پریشان حال۔ مصیبت میں گرفتار
حیثیت	پوزیشن۔ حالت۔ مرتبہ	خود بخود	راضی خوشی
نادار	مفلس۔ غریب	حتیٰ کہ	یہاں تک کہ
درخواست	عاجزی۔ فریاد۔ التجا	کردار	کریکٹر۔ اخلاق
دعویٰ دائر کرنا	مقدمہ کرنا۔ حق کا مطالبہ کرنا	استقامت	ثابت قدمی۔ مضبوط ارادہ
دریادلی	دل کا بادشاہ۔ بانٹنے والا	جود و سخا	سخاوت۔ دریادلی۔ بخشش
احسان مند	احسان ماننے والا	رنج و مصیبت	دکھ و تکلیف۔ پریشان حالی

زہریلا سہد

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
ہنس مکھ	ہنستا ہوا چہرہ۔ خوش اخلاق	پھٹکار	نحوست۔ لعنت
شائستہ مزاج	سلیقہ مند۔ خوش مزاج	بھدی آواز	نرّی آواز۔ بے ڈھنگی آواز
معتول	مناسب۔ اچھا	بد مزاجی	نرّی طبیعت۔ بداخلاقی
گزر بسر کرنا	وقت گزارنا۔ گزارہ کرنا	کھرا	خالص۔ سچا
دھڑا دھڑ	زیادہ سے زیادہ۔ لگاتار	کرخت	سخت۔ ناگوار
حسنِ کلام	خوبصورت باتیں۔ خوش کلامی	ہارا ہوا	تھکتا کھایا ہوا
شیریں گفتار	میٹھی باتیں۔ خوش کلام	گوشہ	کونہ
نیک سیرت	اچھا کردار۔ خوش اخلاق	دام	قیمت۔ بھاؤ
بہانہ	نال مثل	حسد کی آگ	رقابت سے جلنا
محبت میں جھلا	محبت میں گرفتار	حسد و بغل	تنگ دلی و کجی
بظاہر	ظاہری طور پر	تیوریاں چڑھانا	غصہ ہونا
آرزو مند	تمنا کرنے والا۔ خواہش مند	خوش مزاج	خوش طبیعت۔ ہنس مکھ
حقیقت	اصلیت۔ سچائی	تاثير	روئے عمل۔ اثر

فقیر کی دعا

مشکل الفاظ	معانی	مشکل الفاظ	معانی
صدا	آواز	تھدیق کرنا	معلوم کرنا
مغرور	بد دماغ	ملغون	لعنتی۔ مڑدود
منہ بگاڑنا	نرّاسامند بنانا۔ خفا ہونا	پروردگار	اللہ تعالیٰ
غڈ حال	تھک جانا	احترام	عزت۔ ادب
غمزدہ	غمگین۔ دکھی۔ رنجیدہ	معتبر	اعتبار والا۔ قابل اعتبار
اُداس	افسردہ	بے نور	روشنی سے خالی
ناہینا	اندھا۔ آنکھوں سے محروم	محتاج	ضرورت مند
ستانا	پریشان کرنا۔ تنگ کرنا	مسکین	مصوم۔ یتیم۔ غریب
فقیر	مانگنے والا	دل کا اندھا	بے رحم۔ بے حس۔ سنگدل
مروت	خلوص۔ محبت۔ انس	لعن طعن	جلی کٹی باتیں۔ نرّاکہنا
تندبیر	سوچ بچار۔ حکمت	پچھتانا	پشیمان ہونا۔ افسوس کرنا